قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

اشاعت کا چوہترواں سال

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

جولائی 2017ء

علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے
عبث ہے شکوۂ تقدیرِ یزداں
تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں

(اقبالؒ)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن کی روشنی میں اللہ اور انسان کا تعلق

1- اللہ کی ذات کے متعلق ہم ازخود کچھ نہیں جان سکتے انسان زمان و مکان میں مقید محدود علم کی صلاحیت رکھتا ہے اور وہ لامحدود کے علم رکھنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ خدا نے اپنی جن صفات کو قرآن میں بیان کیا ہے' ان سے ہم اس کے متعلق اتنا ہی اندازہ کر سکتے ہیں۔

2- خدا تمام کائنات کا خالق اور اس پر مطلق اختیار رکھتا ہے۔ خدا کی صفاتِ مطلق کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ ہر چیز کے پیمانے ان مطلق صفات کے تحت بناتا ہے۔ قرآن نے صفاتِ خداوندی کا ذکر' الاسماء الحسنیٰ کہہ کر مزید وضاحت کی ہے۔ حسن صحیح صحیح تناسب (Proportion) کا نام ہے۔ اگر کسی شے کا ذرا سا تناسب بھی بگڑ جائے تو اس کا حسن باقی نہیں رہتا۔ الاسماء الحسنیٰ خدا کی ذات کے مختلف پہلو (Facets) ہیں خدا کی ذات موجود فی الخارج ہے اور چونکہ مکمل ترین اور بلند ترین ذات ہے اس لئے اس کے خصائص و صفات بھی مکمل ترین اور بلند ترین ہیں۔

3- قرآن کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہونے کی وجہ سے صفات و اقدارِ خداوندی کے علم کا حصول اسی قرآنِ کریم کے ذریعے ہی ممکن ہے' جسے قیامت تک کے لئے نوع انسانی کی ہدایت کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہے اور اس کے علاوہ اللہ کی ہدایت جاننے کے لئے کوئی صورت نہیں۔ لہٰذا اس کی اطاعت کا بھی یہی مفہوم ہے کہ قرآن کریم میں دیئے گئے اقدار و احکام کی اطاعت کی جائے اس کو پکارنے کے معنی بھی یہی ہیں کہ زندگی کے ہر دوراہے پر' اس کی دی ہوئی راہنمائی سے دریافت کیا جائے کہ ہم کس راستہ کو اختیار کریں۔

4- خدا کی ذات میں اس کی صفات مکمل ترین شکل میں جلوہ بار ہوتی ہیں۔ بجز ان صفات کے جن کا تعلق خالصتاً خدا کی لامتناہیت اور لامحدودیت سے ہے' انسانی ذات کی بنیادی صفات خدا کی طرف سے ودیعت کی گئی ہیں' اس فرق کے ساتھ کہ:

(الف) انسانی ذات کی یہ صفات محدود' سمٹی ہوئی شکل میں ہوتی ہیں۔

بقیہ صفحہ نمبر 68 پر

ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور

جولائی 2017ء

جلد 70 | شمارہ نمبر 07

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
طلوعِ اسلام	علامہ محمد اقبالؒ	3
عوامی مسائل کا حل اور حضرت عمرؓ	ادارہ	4
پرویز صاحب اور اُن کے نظریات کا تعارف	ملک منظور حسین لیل، بھکر	6
انسانی نظام حیات یا قرآنی نظام حیات	ڈاکٹر حامد میاں، نیویارک	14
قرآن اور سائنس	غلام احمد پرویز	18
ایک اسلامی ریاست کی جستجو	خواجہ ازہر عباس، کراچی	32
بچوں کے لیے اسلامی اور معلوماتی کہانی	عارف محمود کسانہ، سویڈن	41
دوقومی قرآنی نظریہ پر مطالبہ پاکستان (قسط پنجم)	ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد	44

ENGLISH SECTION

Manzil ba Manzil **(منزل بہ منزل)** **(Episode-1)**

Chapter 6: Tears of passion (*Shola-e-Namnaak* شعلہ نمناک) –

To my fellow travelers

(Tulu-e-Islam Convention, April, 1962) **56**

ناشر و چیئرمین: محمد اکرم راٹھور

مجلسِ ادارت
ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر منظور الحق
خواجہ ازہر عباس

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

ادارہ کا مضمون نگار کی تحریر سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں۔

زرِ تعاون:
پاکستان: 50 روپے فی پرچہ
550 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 800 روپے سالانہ
بیرونِ ملک: 2500 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 5000 روپے سالانہ

Bank Account Idara Tolu-e-Islam
National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulbarg Lahore
For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465-22-003082-7
For International Transactions
IBAN: Pk21 NBPA 0465 0022 0003 0827
Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

ادارہ طلوعِ اسلام
B-25 گلبرگ 2، لاہور
54660، (پاکستان)
Phone: 042-35714546 , Cell: 0321-4460787
idarati@gmail.com
www.facebook.com/Talueislam

طلوعِ اسلام

ابھی تک آدمی صید زبونِ شہریاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے
نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
وہ حکمت ناز تھا جس پر خردمندانِ مغرب کو
ہوس کے پنجۂ خونیں میں تیغ کارزاری ہے
تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے
عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی، جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے
خروش آموزِ بلبل ہو، گرہ غنچے کی وا کردے
کہ تو اس گلستاں کے واسطے بادِ بہاری ہے
پھر اٹھی ایشیا کے دل سے چنگاری محبت کی
زمیں جولاں گہِ اطلس قبایانِ تتاری ہے
بیا پیدا خریدارست جانِ ناتوانے را
''پس از مدت گذارا افتاد بر ما کاروانے را''

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

عوامی مسائل کا حل اور حضرت عمرؓ

یوں تو وہ کونسا دَور ہے جس میں عوام کو مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا، لیکن آج کل ان کی کثرت اور شدّت بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ آپ کسی شخص سے ملئے اور کسی وقت ملئے، اس کے لبوں پر سب سے پہلے حرفِ شکایت آئے گا۔ شکایت بھی ملک اور قوم کے استحکام یا مستقبل سے متعلق نہیں۔ روزمرّہ کی زندگی میں قدم قدم پر پیش آنے والے معاملات سے متعلق ___ اور ان کا حل نہ کہنے والے کے پاس ہوگا، نہ سننے والے کے پاس۔ دونوں اس باب میں بے بس نظر آئیں گے۔ یہ حالت سارے کے سارے معاشرہ کی ہوچکی ہے۔ اخبارات اور محکمہ جات نے ''شکایات سَیل'' کھول رکھے ہیں جن کے صفحات شکایات سے بھرے نظر آئیں گے لیکن ان مشکلات کا حل کہیں دکھائی نہیں دے گا۔ اس کا اصولی حل، حضرت عمرؓ نے عملاً پیش فرمایا تھا۔ واقعہ تو وہ انہی کے دور کا ہے لیکن جو مثال آپؓ نے قائم کی تھی وہ ہر دور میں ابدی اصول کا کام دیتی ہے۔ ہوا یوں کہ ملک میں قحط پڑ گیا اور ارد گرد کی ساری آبادیاں ہجوم کر کے مدینہ آ گئیں ___ اس مشکل کے حل کے لیے آپؓ نے ایک تدبیر یہ اختیار کی حکم دے دیا کہ مدینہ میں کسی کے گھر میں انفرادی طور پر کچھ نہیں پکے گا۔ ساری غذا یکجا کر لی جائے گی جسے اہلِ مدینہ اور بیرونی پناہ گزین ایک دسترخواں پر مل کر کھائیں گے۔ اس کی ابتداء آپؓ نے خود اپنے گھر سے کی۔ یہ غذا جس قسم کی ہوسکتی تھی ظاہر ہے۔ آپؓ اس کے عادی نہیں تھے ___ مسلسل پریشانی، پیہم مشقت، دن رات کی تگ وتاز۔ اس پر ناموافق غذاء، نتیجہ یہ کہ آپؓ کے چہرے کا رنگ سیاہ پڑ گیا اور دن بدن لاغر ہوتے چلے گئے۔ اس پر آپؓ کے رفقاء کو تشویش لاحق ہوئی اور انہوں نے آپ سے کہا کہ آپؓ اس تبدیلیٔ غذاء کو برداشت نہیں کر سکیں گے اس لئے آپ اپنے معمول کی غذاء کی طرف پلٹ آئیے۔ اس کے جواب میں آپ نے جو کچھ فرمایا: وہ ابدی اصول ہے جس میں عوام کی مشکلات کا حل پوشیدہ ہے۔ آپؓ نے فرمایا:

مجھے لوگوں کی تکالیف کا احساس کس طرح ہوسکتا ہے جب تک مجھ پر بھی وہی کچھ نہ گذرے جو ان پر گزرتی ہے۔

(شاہکارِ رسالت، ص:257)

سوچئے کہ جن اربابِ اقتدار کے کھانے کے میز پر صبح شام، تازہ بتازہ، خالص، انواع واقسام کی اشیائے خورونوش بافراط موجود ہوں، انہیں کس طرح احساس ہوسکتا ہے کہ عوام زندگی کے دن کیسے پورے کر رہے ہیں۔

تو اے کبوترِ بامِ حرم چہ می دانی تپیدنِ دلِ مرغانِ رشتہ بر پارا!

(اے حرم کی چھت پر (آزاد)) بیٹھے ہوئے کبوتر تو کیا جانے کہ ان پرندوں کے دل کی تڑپ کیا ہوتی ہے جن کے پاؤں بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ س،ا)

کہا جاسکتا ہے کہ اربابِ اقتدار کو عوام کی ان مشکلات کا علم تو ہوتا ہے! علم ہونے کے باوجود، ان کا تدارک کیوں نہیں ہوتا، یہ جُداگانہ موضوع ہے۔ ہم اس وقت اپنے آپ کو اسی نکتہ تک محدود رکھنا چاہتے ہیں جسے حضرت عمرؓ نے پیش فرمایا تھا۔ علم تو انہیں بھی تھا کہ قحط زدگان کو کس قسم کا کھانا مل رہا ہے، لیکن انہوں نے ان کے ساتھ شریکِ دسترخوان ہونا ضروری سمجھا تاکہ انہیں ذاتی تجربہ اور احساس ہوجائے کہ اس سے ان پر گزرتی کیا ہے۔ اسی سے ان کی مشکلات کا تدارک ہوسکتا تھا اور اسی طرح اسلامی نظام وجود میں آسکتا اور قائم رہ سکتا تھا۔

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزم طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	200/-	سورۃ المؤمنون	(23)	408	400/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورۃ النور	(24)	264	350/-
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	400/-	سورۃ الفرقان	(25)	389	350/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	400/-	سورۃ الشعرآء	(26)	454	400/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	400/-	سورۃ النمل	(27)	280	300/-
سورہ آل عمران (اول)	(3)	472	500/-	سورہ القصص	(28)	334	350/-
سورہ آل عمران (دوم)	(3)	480	500/-	سورہ عنکبوت	(29)	388	350/-
سورۃ النساء	(4)	870	700/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	400/-
سورۃ المائدہ	(5)	450	500/-	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	400/-
سورۃ الانعام	(6)	600	600/-	سورہ یٰسین	(36)	164	150/-
سورۃ انفال	(8)	210	250/-	سورہ الصّٰفّٰت، ص، زمر	(37,38,39)	450	400/-
سورہ توبہ	(9)	530	550/-	سورۃ مومن، حٰمٓ سجدہ، سورہ شوریٰ	(40,41,42)	624	550/-
سورۃ ھود	(11)	400	400/-	سورۃ زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ	(43-44-45 46-47)	520	500/-
سورۃ یوسف	(12)	288	300/-	سورۃ الفتح، الحجرات، ق، الذاریات، الطور، النجم	(48-49-50 51-52-53)	550	500/-
سورہ رعد، ابراہیم، الحجر	(13-15)	500	500/-	سورۃ القمر، الرحمٰن، واقعہ، الحدید	(54-55 56-57)	384	400/-
سورہ النحل	(16)	334	300/-	28 واں پارہ (مکمل) مجادلہ، حشر، ممتحنہ، صف، جمعہ، منافقون، تغابن، طلاق، تحریم	(58-59-60-61-62-63-64-65-66)	300	300/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	----				
سورۃ الکہف و سورہ مریم	(18-19)	532	----	29واں پارہ (مکمل)	----	544	400/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	350/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	400/-
سورۃ الانبیآء	(21)	336	300/-	شرح جاوید نامہ	----	800	1000/-
سورۃ الحج	(22)	380	350/-				

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) 25-بی، گلبرگ 2، لاہور فون نمبر: +92 42 3571 4546 +92 321 4460 787

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

ملک منظور حسین لیل۔ بھکر
0332-7636560
mhleeladv@yahoo.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پرویز صاحب اور اُن کے نظریات کا تعارف

(کچھ وضاحتیں)

مخالفت کی مثلث (فرعون، ہامان، قارون):

پرویز صاحب نے 1945ء میں ''معارف القرآن'' کی تیسری جلد (''برقِ طور'') میں لکھا کہ: ''فسادِ آدمیت کی تاریخ پر نگاہ ڈالئے، تین گوشے نمایاں طور پر ابھرے ہوئے نظر آئیں گے۔۔۔۔ استبدادِ حکومت کی سرکش طغیانیاں، برہمنیت کی خواب آور فسوں خیز فریب کاریاں، اور سرمایہ داری کی پرسکوت خون آشامیاں۔ ان میں سے ہر ایک فتنہ بجائے خویش انسانیت کا گلا گھونٹ دینے کے لئے کافی ہے۔ لیکن ذرا سوچئے کہ جس دور میں بیک وقت سطحِ ارض پر، سبعیت و بربریت کے ایسے ہولناک عفاریت، فضا میں تباہی و بربادی کے ایسے ہلاکت انگیز جراثیم، اور دریا کی سکون انگیز روانیوں کے نیچے ایسے خوفناک نہنگ واژدر موجود ہوں، وہاں خدا کی مخلوق پر کیا قیامت گزر رہی ہوگی؟۔ تاریخِ مصر کا یہی دور تھا جس کا تذکرہ قرآن کریم میں اس شرح و بسط سے آیا ہے۔۔ فرعون، استبدادِ ملوکیت کا مجسمہ۔ ہامان، برہمنیت (مذہبی پیشوائیت) کی ابلیسانہ روباہ بازیوں کا پیکر۔۔ اور قارون، نظامِ سرمایہ داری کی لعنت کا سب سے بڑا نمائندہ۔ یہ تینوں یکجا، اور ان کے آہنی پنجے میں (بنی اسرائیل کی شکل میں) تڑپتی، پھڑکتی، بلبلاتی انسانیت''۔۔ اور آج ان تینوں کے پنجہء استبداد میں پوری مسلمان قوم (بلکہ پوری انسانیت) تڑپ، پھڑک اور بلبلا رہی ہے۔ جبکہ امت مسلمہ (اور پھر پوری انسانیت) کو ان سے نجات دلانے کے لئے قرآن کریم پیش کرنے والوں کے خلاف یہ قوتیں کمر بستہ!۔''

قرآن، مجبوروں کا سہارا:

قرآن کریم بے کس، بے بس، مظلوم و محروم اور پسے ہوئے طبقات کا طاقتور اور مضبوط ترین سہارا، جبکہ ظالموں، جابروں اور مفاد پرستوں کے خلاف شمشیر برہنہ ہے۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ مجبوروں کی نجات کے لئے قرآن خالص پیش کرنے والوں کے خلاف، مفاد پرست قوتوں (فرعونیت، قارونیت اور ہامانیت) کی مثلث، مختلف طریقوں سے، خم ٹھونک کر میدان میں اتر پڑتی ہے۔ دنیاوی عیش و عشرت کا تصور انسان کے لئے بڑا پُرکشش ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لئے انسان ہر طریقے سے دولت اکٹھا کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔۔ مفاد پرست قوتیں عیاشانہ زندگی کے حصول کے لئے ہر وقت کوشاں رہتی ہیں اور ان کی اس خواہش اور کوشش کے راستے میں جو کوئی بھی حائل ہو، اسے مٹا دینے کے لئے ہر حربہ استعمال کرتی ہیں۔ اس معاملے

میں مذہبی پیشوائیت مفاد پرستوں کو پورا پورا سہارا مہیا کرتی ہے (ارتکازِ دولت کی مذمت اور امتناع کے لئے جو وعیدیں قرآن کریم میں آئی ہیں، مذہبی پیشوائیت ان کی من مانی، مفاد پرستانہ تفاسیر و تاویلات کر کے اور من گھڑت روایات، اور مرضی کا فقہ وضع کر کے، ان وعیدوں کو غیر موثر کرتی، اور اپنا، سرمایہ داروں اور اوپر والے طبقات کا الوسیدھا کرتی رہتی ہے)۔ ظاہر ہے کہ مفاد پرست طبقات کا پرویز صاحب کے نظریات (خصوصاً معاشی اور سیاسی یعنی اسلامی حکومت کے بارے میں نظریات) سے اتفاق کرنا مشکل ہے۔۔ لیکن یہ مخالفت فطری ہے کیونکہ یہ ہو نہیں سکتا کہ آپ کسی کے وجود کو ختم کرنے کے درپے ہوں اور وہ طاقتور، مفاد پرست طبقہ (فرعون، سرمایہ دار اور مذہبی پیشوا) آپ کے وجود کو ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت کر لے۔

شجرِ ممنوعہ:

ان قوتوں نے پرویز صاحب کے خلاف اس قدر منفی اور نفرت آمیز پروپیگنڈہ کیا ہے اور مخالفین نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ آپ کو کالجوں اور یونیورسٹیوں کی کسی لائبریری یا کتب خانوں، بُک شاپس اور کتب فروشی کی دکانوں میں ان کی کوئی کتاب نظر نہیں آئے گی۔۔۔ اور اکثر لوگوں کو علم ہی نہیں (اور ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت نہ ہی علم ہونے دیا گیا ہے) کہ پرویز صاحب بھی کوئی علمی، ادبی یا دینی شخصیت ہیں۔۔ ایک بار انہیں ٹیلیویژن پر بلایا گیا اور ان کا تعارف ایک عالمِ دین کے طور پر کرایا گیا تو ایک شور مچا دیا گیا کہ انہیں ''عالمِ دین'' کیوں کہا گیا، ان کا دین سے کیا تعلق؟۔ انہیں ذرائعِ ابلاغ (میڈیا) سے بھی دور ہی رکھا گیا۔ آپ، پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا (اخبارات، ریڈیو، ٹی وی چینلز وغیرہ) میں ان کا تذکرہ کہیں شاید ہی سنیں گے (مؤلف)۔

پرویز مخالف پروپیگنڈہ:

پرویز صاحب کے خلاف بہت سی تحریریں لکھی گئیں، متعدد تقاریر کی گئیں اور اُن کے خلاف کفر و ارتداد کے ہزاروں فتوے جاری کئے گئے۔ 1962ء میں اُن کے خلاف ایک ہزار علماء نے فتویٰ جاری کیا جس پر انہوں نے ''کافر گری'' کے عنوان سے ایک ایسا مضمون تحریر کیا جس کا جواب فتویٰ بازوں سے آج تک نہ بن پڑا۔ ایسی تمام تحریروں اور تقریروں کا مطالعہ فرما لیجئے آپ کو ان میں گھٹیا قسم کی بازاری زبان میں روائتی انداز کی گالم گلوچ اور مذمتی الفاظ کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ ''دین میں فتنہ، مکار، دجال، استعماریت کا کارندہ، مخالفِ رسول ﷺ، دشمنِ اسلام، منافقِ امت، مخالفِ سبیل المومنین، یہودی و نصرانی سازش کا کارندہ، گمراہ، مجموعہ الضالین، فریبی، گمراہ، دین کو مسخ کرنے والا، بدبخت، کور باطن، قادیانیت کے ہم پلہ، ننگِ دین، یہودی مشن کا ایجنٹ، مرحوم کی بجائے آنجہانی، ابلیسیت کا تسلسل، ابلیسی فتنہ، پرویز اور اُن کے لئے نرم گوشہ رکھنے والے تمام لوگ کافر، مرتد، واجب القتل وغیرہ۔'' اس قسم کی پاکیزہ ''حقائق سے بھرپور'' اور کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی زبان شاید ''سنتِ رسول ﷺ کو ماننے والوں'' ہی کو زیب دیتی ہے۔ جن لوگوں نے پرویز صاحب کو مکمل طور پر نہیں پڑھا، یا نہیں سمجھا اور پرویز مخالف لٹریچر کا مطالعہ نہیں کیا (یا جو لوگ اپنے اپنے فرقے کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں)،

انہیں تو یہ لوگ شاید اپنا ہمنوا بنا لیتے ہیں مگر جن لوگوں نے خالی الذہن اور غیر متعصب ہو کر پرویز صاحب اور اُن کے مخالف لٹریچر کا مطالعہ کیا، اُن کی اکثریت پرویز صاحب کی قائل ہوگئی اور پرویز صاحب کے خلاف نفرت پیدا ہونے کی بجائے ان تحریروں، تقریروں، فتووں اور فتویٰ فروشوں کے خلاف نفرت پیدا ہوئی۔ اس طرح پرویز مخالف تحریروں، تقریروں اور فتاویٰ کی کوئی حیثیت نہ رہی۔ بلاشبہ، پرویز صاحب کوئی نبی نہیں، وہ ایک عام انسان ہیں جو غلطیوں سے مبرا نہیں۔ اُن سے علمی اختلاف کرنا جرم نہیں البتہ بغیر صحیح اور مکمل مطالعہ کئے، اُن کے خلاف جذبات ابھارنا کسی بھی لحاظ سے ٹھیک نہیں ہے۔ پرویز صاحب کو پڑھیں، پھر اُن کے مخالف لٹریچر کو پڑھیں اور ایک بار پھر پرویز صاحب کا مطالعہ کر کے کوئی رائے قائم کریں۔ اس کے بعد، آپ کو اتفاق یا اختلاف کا پورا حق حاصل ہوگا۔ بصورت دیگر، کوئی رائے یا فتویٰ علم کی بارگاہ میں قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ پرویز صاحب کا اس حقیقی معیارِ حق و باطل پر زور کہ: ''جو کچھ قرآن کے خلاف ہے وہ غلط، اور جو کچھ قرآن کے خلاف نہیں وہ صحیح ہے''، اُن کے خلاف تمام تحریروں، تقریروں، فتووں اور تحریکوں کو غیر مؤثر کر دیتا ہے۔

فتووں کا حشر:

جہاں تک پرویز صاحب کے خلاف فتاویٰ کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں گزارش ہے کہ ہمارے مذہبی راہنماؤں کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے کہ وہ ہر اُس شخص کو جو اُن سے اختلاف کرے ''کافر، مرتد اور واجب القتل'' قرار دے دیتے ہیں۔ مسلمانوں کے تمام فرقے اور مذہبی جماعتیں ایک دوسرے کو کافر، مرتد اور واجب القتل قرار دے چکے ہیں۔ اس طرح وہ ایک دوسرے کی نظر میں مسلمان نہیں ہیں۔ ہر فرقہ اور ہر جماعت دوسروں کی جانب سے جاری کئے گئے فتویٰ کو صحیح ماننے پر تیار نہیں۔ ہر فرقہ اور جماعت خود کو صحیح اور باقیوں کو غلط سمجھتی ہے اور اسی خوش فہمی میں مگن ہے (30:31-32)۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے فتاویٰ کی کوئی حیثیت نہیں۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ ہماری مذہبی پیشوائیت نے (فرقوں اور مذہبی جماعتوں کے علاوہ) کس کے خلاف فتویٰ نہیں دیا؟۔ سرسید احمد خان، علامہ اقبال، قائدِ اعظم، مولانا مودودی، ذوالفقار علی بھٹو، جاوید احمد غامدی وغیرہ۔ جن کے خلاف فتویٰ جاری کیا گیا، اُن کا تو کچھ نہیں بگڑا، البتہ فتویٰ دینے والوں کے نام تک کا بھی کسی کو علم نہیں۔ سوائے چند جذباتی لوگوں کے، ان فتووں کو کس نے مانا؟۔ فتویٰ فروشوں کو خود ہی اس امر پر غور کرنا چاہئے کہ اُن کے فتاویٰ کا یہ حشر کیوں ہوتا ہے؟۔

فتویٰ دینے کی اتھارٹی:

فتویٰ کے اس حشر کی وجہ یہ ہے کہ مذہبی پیشوائیت فتویٰ جاری کرنے کا اختیار از خود اپنے ہاتھ میں لے لیتی ہے اور اپنی متوازی حکومت قائم کر کے حکومت کو اس معاملے میں بے اختیار کر دیتی ہے۔ فتویٰ جاری کرنے کا اختیار مذہبی پیشوائیت، کسی فردِ واحد، کسی گروہ، کسی جماعت یا فرقے کو نہیں ہے۔ آج، تکفیر کا جو اختیار مذہبی پیشوائیت کو حاصل ہے، وہ اسے حاصل نہیں

ہونا چاہیئے۔قانون سازی کا یہ اختیار ایسی حکومت کا ہے جو قرآن کریم کے مطابق قائم ہوئی ہو۔ویسے بھی حکومت (خواہ وہ غیر اسلامی ہی کیوں نہ ہو) ہی کے پاس اختیارِ قانون سازی اور قوتِ نافذہ ہوتی ہے۔جس کے فیصلوں پر عمل ممکن ہوتا ہے۔قادیانیت کے خلاف فتووں، قانون سازی اور اس پر عمل درآمد کی مثال ہمارے سامنے ہے۔جب تک حکومت (جو کہ مسلمانوں کی تھی مگر اسلامی نہیں تھی) نے اسمبلی سے قانون سازی نہ کرالی، مخالفینِ ختم نبوت عملاً غیر مسلم قرار نہ پا سکے۔ فتویٰ (قانون سازی) اسلامی حکومت (سنٹرل اتھارٹی) کی طرف سے جاری ہونا چاہیئے نہ کہ نجی طور پر یا نجی اداروں کی طرف سے۔کیونکہ جب اسلامی ریاست کے اندر، اسلامی حکومت کے علاوہ، کسی اور فرد یا گروہ کے حقِ قانون سازی (فتویٰ دینے کے اختیار) کو تسلیم کرلیا جاتا ہے تو وہ افراد یا گروہ اپنے فیصلوں کو نافذ کرنے کے لئے بھی ازخود اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور نتیجے کے طور پر قتل وغارت کا بازار گرم ہوجاتا ہے۔

فتویٰ، دہشت گردی کا سبب:

مذہبی پیشوائیت نے اپنے اپنے فرقوں کے دارالافتاء قائم کر رکھے ہیں جو اپنی محدود فرقہ پرستانہ سوچ کے تحت کفر و ارتداد اور وجوب القتل کے فتوے جاری کرتے رہتے ہیں۔اس طرح مذہبی جذبات کو ہوا دے کر اپنے مخالف کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکائی جاتی ہے۔جس کے خلاف فتویٰ جاری کیا جاتا ہے اُسے اکثر اوقات مرتد قرار دے کر واجب القتل قرار دے دیا جاتا ہے۔جس کا نتیجہ سوائے دہشت گردی کے کچھ اور نہیں نکلتا۔جذباتی لوگ واجب القتل شخص کو ٹھکانے لگا کر اپنی دانست میں جنت کے حقدار بن جاتے ہیں۔۔(مؤلف)

میرے خلاف الزامات:

طلوعِ اسلام اگست 1980ء، ص:44، پرویز صاحب کہتے ہیں: ''عزیزانِ من! مجھے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس واعظم ﷺ سے کیا نسبت؟ لیکن چونکہ، سنت رسول اللہ ﷺ کے اتباع میں میں بھی وہی کہتا ہوں جسے حضور ﷺ پیش فرماتے تھے، یعنی: اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ (7:3)۔''اتباع صرف کتابِ خداوندی کا کرو، اس کے سوا کسی کا اتباع نہ کرو''۔۔اس لئے اس دعوت کی مخالفت میں حربے بھی وہی استعمال کئے گئے۔یعنی الزام تراشیاں اور اشتعال انگیزیاں۔۔۔یہ مدعیٔ نبوت ہونے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ایک نیا مذہب ایجاد کرنا چاہتا ہے۔۔تین نمازیں اور نو دن کے روزے بتاتا ہے۔کہتا ہے اردو میں نماز پڑھا کرو۔۔۔۔یہ اور اسی قسم کے اور سینکڑوں بے بنیاد الزامات اور لوگوں سے تاکید کہ اس کے پاس کبھی نہ بیٹھو۔اس کے درس میں کبھی نہ جاؤ۔اس کی کتابوں کو ہاتھ نہ لگاؤ۔انہیں چھوؤ تک نہیں ورنہ تمہارا ایمان جاتا رہے گا۔تم بھی اسی طرح گمراہ اور بے دین ہوجاؤ گے۔یعنی وہی پرانا حربہ کہ: لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ (41:26)۔قرآن کی آواز مت سنو۔خود بھی نہ سنو اور شور مچاتے رہو تاکہ دوسرے بھی اسے سننے نہ پائیں۔''

ملزم کا بیان:

طلوعِ اسلام، جنوری 1970ء، ص:69: ''طلوعِ اسلام کے متعلق آپ کو عام طور پر بتایا جائے گا کہ یہ کہتا ہے کہ تین نمازیں پڑھو، نو دن کے روزے رکھو، سنتِ رسول اللہ ﷺ کو مت مانو، سب حدیثوں کو در یا برد کر دو، اسلاف کی کوئی بات نہ مانو، وہ قرآن کو نہیں سمجھتے تھے۔۔اس کے بعد آپ سے کہا جائے گا کہ طلوعِ اسلام والے ملحد ہیں، بے دین ہیں، یہ ایک نیا فرقہ پیدا کرنا چاہتے ہیں، بلکہ ایک نیا مذہب ایجاد کرنا چاہتے ہیں۔اس لئے نہ ان کی کوئی بات سنو، نہ ان کا لٹریچر پڑھو۔۔۔یہ الزامات بڑے سنگین ہیں اور اگر یہ سچے ہیں تو پھر آپ سے جو کچھ کہا جاتا ہے وہ بالکل بجا اور درست ہے لیکن قبل اس کے کہ آپ اس کے متعلق کچھ فیصلہ کریں، کیا یہ ضروری نہیں کہ آپ تحقیق کر لیں کہ کیا یہ الزامات واقعی سچے ہیں؟۔

(2) مقدمے میں سب سے پہلے بارِ ثبوت مدعی کے سر پر ہوتا ہے۔اس لئے سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جو شخص آپ سے ایسی بات کہے، اس سے کہئے کہ وہ طلوعِ اسلام کی کوئی تحریر ایسی دکھائے جس میں یہ کچھ لکھا ہو۔جب تک وہ تحریر نہ دکھائے اس کی بات ہرگز نہ مانئے۔

(3) اب آپ سنئے طلوعِ اسلام کا بیان:۔طلوعِ اسلام کا بیان یہ ہے کہ یہ تمام الزامات جھوٹے ہیں۔ان میں سے ایک بھی سچا نہیں۔طلوعِ اسلام نے کبھی نہیں کہا کہ تین نمازیں پڑھو اور نو دن کے روزے رکھو۔اس کے برعکس، وہ مسلسل کہتا چلا آ رہا ہے کہ نماز روزے کے متعلق جس طرح امت میں ہوتا چلا آ رہا ہے اس میں کسی قسم کا ردو بدل کرنے کا حق کسی فرد کو حاصل نہیں۔اس میں بالعموم ہر سال رمضان المبارک کے موقعہ پر روزوں کے قرآنی احکام شائع ہوتے ہیں جن میں بالتصریح لکھا ہوتا ہے کہ روزے پورے مہینے کے ہیں اور جو لوگ نو دن کے روزے بتاتے ہیں وہ قرآن کریم کے خلاف کہتے ہیں۔

(4) طلوعِ اسلام نے کبھی یہ نہیں کہا کہ سنتِ رسول اللہ ﷺ کو نہ مانو اور سب حدیثوں کو در یا برد کر دو۔وہ کہتا صرف یہ ہے کہ حدیثوں کی کتابوں میں صحیح حدیثیں بھی ہیں اور غلط بھی۔۔جو حدیث قرآن کریم کے مطابق ہے وہ صحیح ہے، جو اس کے خلاف جاتی ہے وہ غلط ہے۔۔وہ کہتا ہے کہ اس قسم کی غلط حدیثوں کو چھوڑ دو۔اور صرف صحیح حدیثوں کو مانو۔

(5) طلوعِ اسلام یہ بھی نہیں کہتا کہ اسلاف کی کوئی بات نہ مانو۔وہ صرف اتنا کہتا ہے کہ اسلاف کی کتابوں میں جو کچھ ہے اسے قرآن کریم کی کسوٹی پر پرکھ لو۔جو بات اس کے مطابق ہو، اسے صحیح مانو، جو اس کے خلاف ہو اسے چھوڑ دو۔وہ یہ بھی نہیں کہتا کہ ہمارے بزرگوں نے قرآن شریف کو نہیں سمجھا تھا۔وہ صرف یہ کہتا ہے کہ قرآن شریف ہر ایک کو حکم دیتا ہے کہ وہ اسے غور و فکر سے سوچ سمجھ کر پڑھے۔اس لئے ہمیں قرآن شریف پر خود غور کر کے اسے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

(6) طلوعِ اسلام کوئی نیا فرقہ نہیں بنانا چاہتا۔فرقہ بنانا قرآن کریم کی رو سے شرک ہے۔

(7) طلوعِ اسلام کوئی نیا مذہب ایجاد کرنا نہیں چاہتا۔۔اس کا ایمان ہے کہ قرآن کریم تمام نوعِ انسانی کے لئے واحد، مکمل اور آخری ضابطہء حیات ہے۔ نبی اکرم ﷺ خدا کے آخری نبی اور رسول ہیں۔اور اسلام ہی خدا کا سچا دین ہے۔ طلوعِ اسلام چاہتا یہ ہے کہ:۔جس طرح کی حکومت، رسول اللہ ﷺ اور حضور ﷺ کے بعد خلفائے راشدینؓ نے قائم کی تھی، اسی قسم کی حکومت پاکستان میں قائم کی جائے تا کہ ہر شخص کی ضروریاتِ زندگی باطمینان پوری ہوتی رہیں۔اور کوئی بھوکا ننگا نہ رہے۔۔ہر شخص سے عدل وانصاف ہو۔۔اور قرآن شریف کے خلاف جس قدر قانون ہیں، وہ طلوعِ اسلام چاہتا یہ ہے کہ:۔جس طرح کی حکومت، رسول اللہ ﷺ اور حضور ﷺ کے بعد خلفائے راشدینؓ نے قائم کی تھی، اسی قسم کی حکومت پاکستان میں قائم کی جائے تا کہ ہر شخص کی ضروریاتِ زندگی باطمینان پوری ہوتی رہیں۔اور کوئی بھوکا ننگا نہ رہے۔۔ہر شخص سے عدل وانصاف ہو۔۔اور قرآن شریف کے خلاف جس قدر قانون ہیں، وہ سب منسوخ ہو جائیں اور قانون صرف خدا کا چلے۔یہ بات اُن لوگوں کو ناگوار گزرتی ہے جو خالص ''خدا کا قانون'' نہیں چاہتے۔کیونکہ اس سے ان کی ذاتی اغراض پر زد پڑتی ہے۔اس لئے وہ طلوعِ اسلام کی مخالفت کرتے ہیں۔''

عبادات کے بارے میں:

پرویز صاحب کے بارے میں غلط فہمی پھیلائی جاتی ہے کہ وہ عبادات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔نوروزوں اور تین نمازوں کے قائل ہیں وغیرہ وغیرہ۔دراصل وہ عبادات کو مقصود بالذات نہیں سمجھتے بلکہ ایک اعلیٰ ترین مقصد (دینِ اسلام کے نفاذ) کا ذریعہ سمجھتے ہیں، لہٰذا، وہ عبادات کی ادائیگی کی مروجہ شکل کے ساتھ ساتھ ان کے وسیع تر معانی پر زور دیتے ہیں۔۔مثلاً نماز کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ نظامِ صلواۃ (قوانینِ خداوندی کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے مکمل دین یعنی اسلامی حکومت) کا قیام۔۔روزہ رکھنے کا مقصد خدا کی کبریائی قائم کرنے (2:185) یعنی (دین کے قیام) کی تیاری، استحکام اور مسلسل مجاہدانہ زندگی کے لئے سالانہ عسکری ٹریننگ کورس میں شمولیت (کیونکہ ہر مسلمان اسلام کا ایک سپاہی ہے)۔۔اعتکاف کا مفہوم اسلامی نظام کے قیام اور تحفظ کے لئے ایک اسپیشل فورس کی تیاری (یعنی امت اور انسانیت کے الجھے ہوئے معاملات اور پیچیدہ مسائل کو سلجھانے کے لئے اہلِ فکر وتدبر کا مرکز (مسجد) کے پرسکون ماحول اور خاموش اوقات میں بغرض غور وفکر رک جانا یا نظام کی طرف سے روک لیا جانا)۔قرآن کے مطابق عیدالفطر کو بطور ''جشنِ نزولِ قرآنِ کریم'' منانا (10:58، 13:36) نہ کہ روزوں کے صلہ کے طور پر منانا۔۔زکواۃ کی مروجہ ادائیگی کے ساتھ ساتھ اسلام کے مکمل معاشی نظام کے قیام۔اور حج کے اجتماع میں عالمی سطح پر مسلمانوں کے سیاسی و معاشی اور دیگر مسائل کے حل کے لئے باہمی غور وخوض اور عالمِ اسلام کو دنیا کی سپر طاقت بنانے کے لئے عملی اقدامات تجویز کرنا یعنی اجتماعِ حج کو ایک سالانہ عالمی اسلامی مجلسِ مشاورت (Annual World Islamic Conference) کی شکل میں بدل دینا وغیرہ۔یعنی محلے کی مسجد میں روزانہ پانچ وقت اجتماعِ صلواۃ دراصل اسلام کا

بنیادی سیاسی یونٹ اور اسلامی حکومت کے لئے اُٹھایا گیا پہلا قدم (First Step) ہے، جس میں محلے کے مسلمان روزانہ اپنے علاقے کے مسائل اور سیاسی صورتِ حال پر غور وخوض کرتے ہیں (مثلاً بلدیاتی انتخابات سے لے کر قومی انتخابات پر بحث ومباحثہ وغیرہ) جو ہر سال، اجتماعاتِ جمعہ اور عیدین سے ہوتا ہوا حج کے عظیم عالمی اسلامی سیاسی اجتماع پر ختم ہوتا ہے۔ البتہ پرویز صاحب، عبادات کی ادائیگی کے مروجہ طریقوں پر اُس وقت تک باقاعدگی سے عمل کرتے رہنے پر زور دیتے ہیں جب تک کہ ایک حقیقی اسلامی حکومت، پوری امت کی باہمی مشاورت (پارلیمان وغیرہ) کے ذریعے پوری امت کے لئے ادائیگیٔ عبادات کے متفقہ طریقوں کی منظوری نہ دے دے۔ ظاہر ہے کہ عبادات کا وسیع تر مفہوم مذہبی نہیں، بلکہ دینی نقطۂ نگاہ ہی سے لیا جا سکتا ہے۔ مذہبی پیشوائیت کے لئے اس قسم کی وسیع تر سوچ موت ہے۔ کیونکہ مذہبی پیشوائیت عبادات کی ادائیگی کو مقصود بالذات پرستش، اور ذاتی نجات کا ذریعہ سمجھتی ہے جبکہ دینی نظام (حکومتِ الٰہی) میں عبادات کا مفہوم وسیع تر مقاصد میں بدل جاتا ہے، دین اور دنیا ایک ہو جاتے ہیں اور مذہبی پیشوائیت کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ (مؤلف)۔

نماز وروزہ کی اہمیت:

طلوعِ اسلام، اگست 2013ء، ص:4، ''میں نے ایسی باتیں بھی سنی ہیں کہ بعض اراکینِ بزم کہتے ہیں کہ انہوں نے اب جو اسلام کو سمجھا ہے، اس کی بناء پر نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا ''طلوعِ اسلام'' نے آپ کو یہی تعلیم دی ہے کہ نماز نہ پڑھنے پر فخر کرو؟۔ آپ نے غیر قرآنی روشِ زندگی کو تو نہ چھوڑا، اور اس کے بجائے اس قسم کی باتیں کرنے لگ گئے۔ اور ستم بالائے ستم کہ اپنے آپ کو طلوعِ اسلام کی تحریک سے وابستہ ظاہر کر کے ایسی باتیں کرنے لگے۔ طلوعِ اسلام پر آخر یہ کتنا بڑا الزام ہے جو آپ نے عائد کر دیا۔

ذاتی طور پر مجھ میں بھی کمزوریاں ہیں اور میں ہمیشہ اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ لیکن یہ انتہائی ظلم ہے کہ ہم اپنی کمزوریوں کے لئے جواز کی صورتیں تلاش کرنے لگ جائیں۔ آپ قرآنی نظریات کے خلاف سب کچھ کر رہے ہیں۔ تجارت، کاروبار، شادی، رشتے ناطے، سب کچھ ہو رہا ہے۔ بینک بیلنس برابر قائم ہیں۔ قرآن کے مطابق انہیں بدلنے کے لئے آپ کے ذہن میں کبھی کچھ نہیں آیا۔ پھر نماز کے بارے میں ایسا کیوں ہے؟ (بعض گوشوں سے آوازیں آئیں کہ یہ بھی ہمارے مخالفین کا پروپیگنڈہ ہے جو طلوعِ اسلام کی تحریک سے وابستگی ظاہر کر کے اس قسم کی باتیں مشہور کرتے رہتے ہیں۔ محترم پرویز صاحب نے سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا) ہم معاشرے میں اصلاح کا آغاز اپنے گھروں ہی سے کر سکتے ہیں لیکن اگر پہلے خود ہی نماز روزہ چھوڑ دیں تو پھر اصلاح کس طرح ہوگی؟۔ خدارا اپنے قول وعمل کو بصیرت، علم اور خلوص پر مبنی رکھئے۔ ''مقدس بہانے'' تلاش نہ کیجئے بلکہ اعتراف کیجئے اپنی کمزوریوں کا۔ ہم نے قرآنی معاشرہ قائم کرنا ہے جو صرف نیک اور پاکباز زندگی بسر کرنے سے قائم ہو سکے گا۔'' (منزل بہ منزل، از

پرویز، ص:36-35)۔

پروفیسر وارث میر (مرحوم):

اشتراکیت کے توڑ کے سلسلے میں جماعت اسلامی کی کوششوں اور جماعت کی سرمایہ دارانہ سوچ اور پالیسیوں (اور خود مولانا مودودی مرحوم کی کتاب ''مسئلہ ملکیتِ زمین'') کے نتیجے میں پھیلنے والے تاثرات کا ذکر کرنے کے بعد پروفیسر مرحوم لکھتے ہیں کہ: ''دوسری طرف جناب غلام احمد پرویز نظامِ ربوبیت اور مرکزِ ملت کے تصور کو زور شور کے ساتھ پیش کرنے لگے اور رائے یہ بنی کہ پرویز صاحب قرآن کے پردے میں ایک ایسی سوشلسٹ ریاست کو مسلمانوں کے لئے قابلِ قبول بنانے کی کوشش کر رہے ہیں جو ذرائع پیداوار کو اجتماعی کنٹرول میں رکھتی ہے۔ (بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ قیامِ پاکستان سے پہلے دہلی سیکرٹریٹ میں وزارتِ داخلہ کے ملازم کی حیثیت سے پرویز صاحب کمیونزم کے خلاف ایک کتاب لکھ چکے تھے۔ اس کتاب پر پرویز صاحب کی بجائے کتاب کے پبلشر کا نام درج تھا۔ پرویز صاحب نے اس کتاب کے مصنف ہونے سے کبھی انکار نہیں کیا)۔'' (حریتِ فکر کے مجاہد، اشاعت دوم، فروری 1990ء، ص:84)۔

پرویز کے خلاف فتویٰ واپس لیجئے (آغا شورش کاشمیری):

طلوعِ اسلام، جون 1974ء، ص:53، حضرت عمرؓ کے بارے میں پرویز صاحب کی شہرہ آفاق کتاب ''شاہکارِ رسالت'' پر تبصرہ کرتے ہوئے ہفت روزہ ''چٹان'' کے مدیر آغا شورش کاشمیری (مرحوم) نے لکھا۔ ''ایڈیٹر چٹان کو آج تک جناب غلام احمد پرویز سے ذاتی نیاز حاصل نہیں ہو سکا۔ کبھی ان سے بالمشافہ ملاقات نہیں ہوئی۔ لیکن اُن کی عظیم کتاب ''شاہکارِ رسالت'' پڑھنے کے بعد ایڈیٹر چٹان کو یقین ہو چکا ہے کہ اپنی اس کتاب کی بدولت پرویز بارگاہِ رسالت ﷺ میں سرخرو ہو کر باریاب ہوں گے اور یہ کتاب ان کے لئے توشہء آخرت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ اُن فضلاء کے ساتھ انہیں جگہ دیں گے جن کے دل اسلام کے لئے ہر دور میں دھڑکتے رہے ہیں۔ غلطیاں ہر انسان سے سرزد ہوتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ صلحائے اُمت کے نزدیک کسی مقام پر اُن کے قلم کو ٹھوکر لگی ہو۔ آخر وہ ایک انسان ہیں، لیکن اُن کے سچا مسلمان ہونے میں کوئی شک نہیں۔ وہ قرآنی فکر کی ایک فاضل شخصیت ہیں۔ علماء سے دردمندانہ گزارش ہے کہ وہ محض فروعات کا شکار نہ ہوں، ''شاہکارِ رسالت'' کا مطالعہ کریں اور ضرور کریں۔ اُن کی بلند فکر کے نزدیک پرویز صاحب سے کبھی تفقہ فی الدین میں کوئی چوک ہوئی ہے تو اُنہیں محبت سے مطلع کریں تاکہ ایک سچا دل اپنی ''کوتاہی'' کا جائزہ لے سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ پرویز بھی افکارِ اسلام کی کربلا میں حسینی قافلہ کی ایک آواز ہیں۔ علماء کو اُن سے متعلق اپنا فتویٰ واپس لینا چاہیئے۔''

(ہفت روزہ، چٹان، مورخہ 13 مئی 1974)

(جاری ہے)

ڈاکٹر حامد میاں، نیویارک

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

انسانی نظامِ حیات یا قرآنی نظامِ حیات

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ (2:213)

ساری انسانیت ایک اُمت/قوم تھی اور بعد میں اختلافات میں بٹ گئی۔

اس کی ابتداء اس وقت ہوئی جب کہ آدم کو تو یہ ہدایت تھی کہ شجر/تقسیم کی طرف مت جائے مگر اس نے اپنے اندر تقسیم/مشاجرت کے عمل کو ترجیح دی اور انسانیت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اسی کی تقسیم نے انسانیت کو جنتی معاشرہ سے نکال کر جہنم میں دھکیل دیا۔ مشاجرت کے اس عمل سے ہر انسان ایک دوسرے کا دشمن بن گیا۔ ہر انسان کے مفاد ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے۔ جس کے نتیجے میں نظامِ سیاست کی ابتدا ہوئی اور حاکم و محکوم کے تصور نے جنم لیا۔ جس سے مختلف نظامِ حکومت وجود میں آئے۔ دوسروں سے حکم منوانے میں انسان نے بڑی لذت محسوس کی۔ اور یہی حکومت کا جذبہ انسان کو مختلف نظامِ حکومت بنانے پر مجبور کرتا رہا۔

ابتدا میں قبائلی نظام وجود میں آیا۔ انسان آگے بڑھا تو مذہبی پیشوائیت/تھیاکریسی کے ہاتھوں انسانیت ہزاروں سال دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھتی رہی۔ اس سحر اور مذہب کے چنگل میں انسانیت آج بھی جکڑی ہوئی نظر آتی ہے۔ جیسے ہی محکوم نیند کی آغوش سے، بصیرت کی آنکھ ملتا ہوا نظر آیا۔ حاکم نے اسے اور گہری نیند میں سلانے کا نغمہ الاپ دیا۔

اقبال نے بھی خوب کہا۔

بدل کے بھیس زمانے میں پھر سے آتے ہیں اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات و منات

انسانیت ان مذہبی پیشواؤں، بادشاہوں، ڈکٹیٹروں سے خون کی ہولی کھیلتی ہوئی اٹھارویں صدی میں پہنچی تو لاک اور روسو نے نظریہ میثاق کی بنیاد رکھی جسے آج ڈیموکریسی یا جمہوریت کہتے ہیں تاکہ حاکم و محکوم کا امتیاز باقی نہ رہے۔

1۔ اس میں ''عوام کی حکومت، عوام کیلئے، عوام کی وساطت سے'' کا اصول کارفرما ہوتا ہے۔

2۔ عوام کا منشاء ان کے نمائندگان کے ذریعے معلوم ہوتا ہے۔

3۔ کسی بات کے صحیح یا غلط ہونے کا معیار ان نمائندگان کی کثرتِ رائے ہوتا ہے۔

4۔ اقلیت کو اکثریت کے فیصلے تسلیم کرنے ہوتے ہیں۔

اسی دوران یورپ نے نیشنلزم کے نظریہ کے مطابق انسانیت کے اور ٹکڑے کر دیئے۔

اقبال نے یہاں بھی خوب کہا۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

مگر اسی دور میں مارکس کے نظریہ نے کہا کہ اقتدارِ اعلیٰ اس طبقہ کو حاصل ہوتا ہے جس کے پاس وسائلِ پیداوار ہوں، اشتراکی نظام میں مزدوروں کو اور نظامِ سرمایہ داری میں سرمایہ دار طبقہ کو حاصل ہوتا ہے۔

انسانیت آج اس نظریاتی جنگ وجدل کی آگ کی لپیٹ میں جلتی ہوئی نظر آتی ہے۔

قرآن نے ٹھیک ہی کہا۔

وَالْعَصْرِ ۝۱ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝۲ (103:1-2)

زمانہ اس بات کی گواہی ہے کہ انسان نے جو نظامِ حیات بھی اپنے لئے تجویز کیا وہ اس میں خسارے میں رہا۔

جمہوریت کے علمبردار کے نزدیک اس سے بہتر نظام کا تصور ناممکن ہے۔ اس کی تائید کرنے والوں کو نوعِ انسان کے ہمدرد اور مخالفت کرنے والوں کو انسانیت کا مجرم خیال کیا جاتا ہے۔

مگر اسی جمہوریت کا بھاری بھرکم جنازہ آج انسانیت اپنے کندھوں پر اُٹھائے ایک عالمگیر نظام کی تلاش میں سرگرمِ عمل ہے۔ اور اس بات کی شہادت بھی مغربی مفکرین ہی دے رہے ہیں۔

''اگر سیاست کو نظری حیثیت سے نہیں بلکہ عملی حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ حاکم اور محکوم کو ایک ہی تصور کرنا عملی ناممکنات میں سے ہے۔ یہ سمجھ لینا کہ دونوں ایک ہی ہیں مملکت میں بدترین قسم کی آزادیٔ اختیارات پیدا کر دیتا ہے۔'' (کوبن)

سیکیولرزم جمہوریت کا ہی جزو لازم سمجھا جاتا ہے جس کا آج کل بہت چرچا ہے۔ اسے قرآن کے عین مطابق قرار دیا جا رہا ہے۔ اسے ایک مہذب طرزِ معاشرت سمجھا جاتا ہے۔ سیکیولرزم کا مطلب ہے کہ مذہب کا سیاست سے علیحدہ ہونا۔ سیکیولرزم میں ریاست کا کوئی مذہب نہیں ہوتا مگر ریاست کے باشندوں کے اپنے عقائد اور مذاہب ہوتے ہیں۔ اور سیکیولر ریاست، مذہب کے معاملے میں مکمل غیر جانبدار ہوتی ہے۔

اقبال نے پھر خوب کہا۔

جلالِ بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

لاک کے نزدیک قانونِ فطرت خدا کا بنایا ہوا ہے۔ اور انسان اس کے ماتحت اس وقت رہا کرتے تھے جب وہ تہذیب وتمدن کے نام سے ناآشنا تھے۔ اور فطرت کے قوانین کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے۔ اس وقت لوگ عقل سے کام لیتے تھے جذبات سے نہیں۔ لیکن بعد میں جب لوگ جذبات کے پیچھے لگ گئے تو ان کی زندگی قانونِ فطرت کے مطابق نہ رہی۔ اب اسی قانون کی بازیابی اور اس کے نفاذ کا فریضہ انسانی معاشرے پر ہے۔

مشہور اطالوی مدبر، میزینی اس باب میں لکھتا ہے کہ:

''اس میں شبہ نہیں کہ عام رائے دہندگی کا اصول بہت اچھی چیز ہے۔ یہی وہ قانونی طریقِ کار ہے جس سے ایک قوم تباہی کے مسلسل خطرات سے محفوظ رہ کر اپنی حکومت قائم کرسکتی ہے۔ لیکن ایک ایسی قوم جس میں وحدتِ عقائد نہ ہو جمہوریت اس سے زیادہ اور کیا کرسکتی ہے کہ وہ اکثریت کے مفاد کی نمائندگی کرے اور اقلیت کو مغلوب رکھے۔ ہم یا تو خدا کے بندے بن سکتے ہیں یا انسان کے۔ وہ ایک انسان ہو یا زیادہ، بات ایک ہی ہے۔ اگر انسانوں کے اوپر کوئی اقتدارِ اعلیٰ نہ ہو تو پھر کون سی چیز ایسی رہ جاتی ہے جو ہمیں طاقتور افراد کے تغلب سے محفوظ رکھ سکے۔ اگر ہمارے پاس کوئی ایسا مقدس اور ناقابل تغیر قانون نہ ہو جو انسان کا وضع کردہ نہ ہو، تو ہمارے پاس وہ کون سی میزان رہ جاتی ہے جس سے ہم پرکھ سکیں کہ فلاں کام یا فیصلہ عدل پر مبنی ہے یا نہیں۔ یاد رکھئے جب تک کوئی حکومت خدا کے قوانین کے مطابق نہیں چلتی اس کا کوئی حق مسلم نہیں۔ حکومت تو قوانینِ خداوندی کو نافذ کرنے کے لئے ہے۔ اگر وہ اپنے اس فریضہ کی سرانجام دہی میں قاصر ہے تو تمہارا یہ حق ہی نہیں بلکہ فریضہ ہے کہ تم ایسی حکومت کو بدل ڈالو۔''

> **یاد رکھئے!**
>
> ہمارا طریقِ کار ہنگامہ آرائی اور تماشہ گری نہیں۔ ہمارا طریق نہایت خاموش اور پُرامن طور پر قرآن فکر کو عام کیے جانا ہے۔ تاکہ اس نظام کے قیام کا تقاضا لوگوں کے دل کی گہرائیوں سے ابھرے۔ ہم میں سے بعض تیز طبائع پر اس طریقِ کار کو سُست روی بعض اوقات گراں گزرتی ہے۔ وہ عام سیاسی جماعتوں کے سے ہنگامہ آرائی کے پروگرام اختیار کرنے کی تجویز کرتے ہیں۔ ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ ہمارا یہ طریقِ کار، قرآنی فکر، تاریخی شواہد اور انسانی نفسیات کے گہرے مطالعہ پر مبنی ہے۔ جو احباب ہمارے ہم سفر ہونا چاہیں انہیں یہ سب کچھ سوچ سمجھ کر شریک ہونا چاہئے۔ یہ کوہ کنی بڑی صبر آزما ہے۔ یہ قرآنِ کریم کے الفاظ میں پہاڑ کی گھاٹی پر چڑھنے کے مترادف ہے جس میں قدم قدم ہی چلا جاسکتا ہے ورنہ۔۔۔ سانس اکھڑ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔۔۔''
>
> (پروپوزل، سالانہ کنونشن، 17 تا 20 مارچ 1966ء)

''پرنسپل آف پولیٹیکل سائنس'' میں ہے کہ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے انسان کو اپنا محکوم بنائے۔ انسان کو قوانین کا محکوم ہونا چاہئے۔

مگر ابھی تک انسانوں ہی کا ایک خاص طبقہ قوانین بنا رہا ہے تو حقیقتاً قوانین نہیں انسان ہی انسانوں پر حکومت کر رہا ہے۔

قرآن کا اصول:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ ۔۔۔(6:57) حکومت کا اختیار صرف اللہ کی ذات کو ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ ۔۔۔(79:3) کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ خدا بے شک اسے ضابطہ قوانین، فیصلہ کرنے کی قوت اور نبوت ہی کیوں نہ دے اور وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے محکوم بن جاؤ۔

قرآن/ اسلام سب مذاہب کے لئے ایک چیلنج ہے۔

غور سے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اسلام/قرآن ایک مذہب نہیں ہے۔ یہ ایک دین یا سسٹم ہے۔ اسلام میں مذہبی پیشوائیت یا تھیاکریسی کا کوئی وجود نہیں۔ قرآن/ اسلام تین بڑی لعنتوں سے انسانیت کو چھڑانے آیا ہے اور وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ ملوکیت/فرعونیت ۔۔۔ انسان کا انسان پر حکومت کرنا۔

2۔ سرمایہ داری/ قارونیت۔

3۔ مذہبی پیشوائیت/ ہامانیت۔

یہ انسانیت کے لئے ایک ضابطہِ حیات ہے جسے کونسٹیچیوشن کہتے ہیں۔ اور کونسٹیچیوشن کو نافذ کرنے کے لئے ایک خطے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس خطے کے حصول کے لئے علامہ اقبالؒ نے دوقومی نظریہ کا تصور اور خطے کی نشاندہی 1930ء میں کی۔ جس کی عملی تکمیل قائداعظمؒ نے پاکستان کی شکل میں کی۔

انسانیت کی تاریخ میں یہ سب سے بڑی ہجرت ایک عظیم مقصد کے حصول کے لئے کی گئی۔ پاکستان مقصد نہیں بلکہ ایک بڑے مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ تاکہ قرآن ایک کونسٹیچیوشن کی طرح دنیا میں نافذ ہو سکے۔ یہی وہ خواب ہے جس کی اب تکمیل پاکستان کے 20 کروڑ عوام کے ذمے ہے۔ یہی وہ نظام ہے جس کا خدا نے انسانیت سے وعدہ کیا ہے کہ وہ آخرالامر سب باطل ادیان/ نظام ہائے انسانیت پر غالب آ کر رہے گا۔

طریقہ:

اس صداقت پر ایمان ۔۔۔ یقینِ محکم ۔۔۔ عملِ پیہم

یہ وہی واقعہ دہرایا گیا ہے جس طرح حضراتِ موسیٰ اور ہارون علیہم السلام بنی اسرائیل کو مصر سے سینا کی وادیوں میں ایک عظیم مقصد کیلئے لائے تھے۔

References:

(Alfred Cobban) The Crises of Civilization
A.C. Ewing (The Individual, The State and The World Government)
Rene Guenn (The Crises of The Modern World)
H.N. Menckem (Treatise on Right and Wrong)
U.N.O Research (Democracy in a world of Tension)...etc...

غلام احمد پرویزؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ

قرآن اور سائنس

(وہ نکتہ جس میں ملتِ اسلامیہ کی زندگی اور ارتقاء کا راز پوشیدہ ہے، اور جس کے خلاف عالمگیر سازش ہو رہی ہے)

تقریب جشنِ نزولِ قرآن کے موقع پر پرویز صاحب کا خطاب

عزیزانِ گرامی قدر، سلام و رحمت!

یوں تو ہمارا ہر درس، قرآنِ مجید ہی کا درس ہوتا ہے، لیکن آج کے درس کا تعلق جس عظیم القدر تقریب کے ساتھ ہے، اس سے اس کی اہمیت اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ دنیا کی ہر قوم اور اہلِ مذاہب سال میں کچھ دن بطور تیوہار مناتے ہیں لیکن وہ تیوہار بہر حال انسانوں کے اپنے متعین کردہ ہوتے ہیں۔ یہ خصوصیت۔۔۔ اسلام کو حاصل ہے کہ اس کے تیوہار کا نہ صرف تعین، خود خدا نے کیا ہے بلکہ اس کے منانے کا خاص طور پر حکم بھی دیا ہے۔ اس سے اس تیوہار کی اہمیت اور عظمت واضح ہے۔ آج کا درس اسی تیوہار کے ساتھ مختص ہے۔۔۔ سورۂ یونس میں ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ (10:57) ''اے نوعِ انسان! تمہاری طرف تمہارے نشوونما دینے والے کی جانب سے ایک ضابطۂ قوانین نازل ہوا ہے جو تمہارے نفسیاتی امراض کے لئے نسخۂ شفا ہے۔'' وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اور ان لوگوں کے لیے جو اس کی صداقتوں پر یقین رکھیں، سامانِ نشوونما اور منزلِ انسانیت تک پہنچنے کی راہنمائی ہے۔'' اس قدر گراں بہا عطیہ کے بعد فرمایا: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ ۔۔۔ ''اے رسولؐ! ان سے کہہ دو کہ یہ محض خدا کے فضل و رحمت سے ہے کہ تمہیں ایسا عدیم النظیر ضابطۂ حیات مل گیا ہے۔ ایسا بے نظیر ضابطۂ حیات کہ اگر ساری دنیا کے انسان مل کر بھی کوشش کرتے تو اس کے ایک جزو جیسا ضابطہ بھی مرتب نہ کر سکتے۔ لہٰذا، فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ ۔۔۔ ''تمہیں چاہئے کہ ایسی متاعِ گراں بہا کے اس طرح بے مزد و معاوضہ مل جانے پر جشنِ مسرت مناؤ'' ۔۔۔ وہ متاعِ گراں بہا کہ۔۔۔ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ (10:58) ''انسان جو کچھ اور جتنا کچھ بھی جمع کرے یہ اس سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔'' ۔۔۔ ساری متاعِ کائنات سے زیادہ گراں بہا۔ تمام سامانِ زیست سے زیادہ بیش قیمت۔

یہ ہے وہ تقریبِ جاں نواز جسے بطورِ جشنِ مسرت منانے کا حکم خدا نے دیا ہے۔ یعنی جشنِ نزولِ قرآن۔ نزولِ قرآن کریم کا آغاز چونکہ رمضان کے مہینے میں ہوا تھا (2:185) اس لئے رمضان کا پورا مہینہ گویا اس جشن کی تیاریوں کا تھا اور عید الفطر اس کی تکمیل کا دن۔ ہم لوگ چونکہ قرآن کی ہر حقیقت کو فراموش کر چکے ہیں اس لئے ہم میں سے شاید ہی کسی کو علم ہو کہ

یہ عید کیا ہے اور ہم اسے کیوں مناتے ہیں۔ اب یہ محض ایک رسم ہے جسے روایتاً ادا کرلیا جاتا ہے ـــــ مذہب پرست طبقہ کے نزدیک ثواب حاصل کرنے کے لیے، اور عوام کے نزدیک سیویاں کھانے کے لیے۔۔۔ اور اب تو وہ بھی ان بیچاروں کی دسترس سے باہر ہوچکی ہیں ـــــ ان کے لئے سیویاں اور ان کے معصوم بچوں کے لیے کھلونے! اقبالؒ نے تو ساٹھ ستر برس پہلے یہ آہ کھینچی تھی کہ ؎

اے بادِ صبا! کملی والے سے جا کہیو پیغام مرا!
قبضے سے اُمت بیچاری کے، دیں بھی گیا دنیا بھی گئی

اس میں تمہارا ذکر ہے:

اور عید کا چاند دیکھ کر کہا تھا کہ ـــــ ہلالِ عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے ـــــ وہ آج زندہ ہوتا تو ہماری حالت دیکھ کر معلوم کس طرح خود بھی تڑپتا اور ہمیں بھی تڑپاتا ـــــ یہ اس قوم کی حالت ہے جسے قرآن جیسا ضابطۂ زندگی عطا کرنے کے بعد کہا تھا کہ: لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (21:10) ''یہ حقیقت ہے کہ ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب بھیجی ہے جس میں خود تمہارا ذکر ہے۔ کیا تم اس بلند حقیقت پر غور نہیں کرتے؟'' عربی زبان میں لفظ ذکر کے ایک معنی تو وہی ہیں جو ہمارے ہاں مروج ہیں۔ اس اعتبار سے اس آیۂ جلیلہ کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآن خود انسان کا ترجمان ہے۔ علامہ اقبالؒ نے خدا کو مخاطب کرتے ہوئے اس حقیقت کو اس حسین انداز سے بیان کیا تھا کہ ؎

محمدؐ بھی ترا، جبریلؑ بھی، قرآن بھی تیرا!
مگر یہ حرفِ شیریں، ترجماں تیرا ہے یا میرا؟

لیکن اس لفظ (ذکر) کے ایک اور معانی بھی ہیں۔ یعنی شرف وعظمت، عزت وتوقیر، ان معانی کی رو سے اس آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس کتاب میں خود تمہارے شرف واجتباء کا راز پوشیدہ ہے۔ یہ اس لئے بھیجی گئی ہے کہ تمہیں عزت وتوقیر کا مقامِ بلند عطا کردے۔ اسی لئے دوسرے مقام پر کہا کہ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ (23:71) ہم انہیں شرف ومجد کا مقام عطا کرنا چاہتے ہیں اور ان کی حماقت دیکھو کہ یہ خود اپنی ہی عزت واحترام سے اعراض برتتے ہیں۔ اس سے روگردانی کرتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ (33:72) ''حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی ظالم اور جاہل واقع ہوا ہے۔'' یہ جہالت کی بنا پر خود اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔ ہم، قرآن کی حامل قوم، اسی مقام پر ہیں۔ ساری دنیا میں ذلیل وخوار۔

مادی اور روحانی دُنیا:

قرآنِ کریم نے اپنی منفرد خصوصیات کی بنا پر تمام نوعِ انسان کو یہ چیلنج دیا ہے کہ وہ اس کی مثل ضابطۂ حیات مرتب کرکے

دکھائیں۔ یہ خصوصیات بکثرت ہیں اور کسی ایک نشست میں ان کا احاطہ ممکن نہیں۔ میں آج کی تقریب میں اس کی صرف ایک خصوصیت پر اکتفا کروں گا جسے عصرِ حاضر میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ دنیا کے کسی مذہب کو لیجئے اس نے انسانی زندگی، بلکہ جملہ تخلیقِ خداوندی کو دو حصوں میں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ یعنی مادی (Material) اور روحانی (Spiritual)۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہی نہیں بلکہ متضاد اور معاند ہیں۔ ایسے معاند کہ، نہ صرف یہ کہ یہ یک جا اکٹھے نہیں ہو سکتے اہل مذہب، مادیت کو انتہائی قابلِ نفرت قرار دیتے ہیں اور مذہب کا سخت دشمن۔ دوسری طرف اہلِ مادیت (جنہیں آج کل کی اصطلاح میں سائنٹسٹ کہہ لیجئے) مذہب کو جہالت اور توہم پرستی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان دونوں میں جنگ، قدیم سے چلی آ رہی ہے۔ عصرِ حاضر کی سیکولرازم، مذہب کے خلاف اسی نفرت کا نتیجہ ہے۔ وہ مذہب کا نام تک لینا پسند نہیں کرتے۔

کائناتی شواہد:

لیکن قرآنِ کریم کی منفرد خصوصیت کو دیکھئے کہ وہ (یوں کہئے کہ) مذہب کے اسٹیج پر کھڑا ہو کر، مادی کائنات کے نظام کو اپنی صداقت کی تائید میں بطورِ شہادت پیش کرتا ہے۔ قرآنی تعلیم کا بنیادی نکتہ قانون کی عمل داری (Rule of Law) ہے۔ اس کا منتہیٰ اور مقصود تو انسانی دنیا میں قانونِ خداوندی کی حاکمیت ہے لیکن چونکہ قانون کی حاکمیت، خارجی کائنات کے محسوس پیکروں میں نہایت آسانی سے سامنے آجاتی ہے، اس لئے وہ انہیں قرآنی دعاوی کی تائید میں بطور شواہد پیش کرتا ہے۔ (مثلاً) سورۂ واقعہ میں ہے: فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝ ۔۔۔ (56:75) ''نہیں! بات یہ نہیں کہ میں اپنے دعاوی کے ثبوت میں نظری دلائل یا بسیط حقائق (Abstract Realities) پیش کر کے آگے بڑھ جاؤں گا۔ میں ایسا نہیں کروں گا کیونکہ نظری یا تجریدی دلائل عام فہم نہیں ہوتے۔ میں کائنات کے مرئی اور محسوس نظام کی مثالوں سے واضح کروں گا کہ یہ تمام نظام کس طرح قوانین کے تابع مصروفِ گردش ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے ستاروں کی گذرگاہوں کو بطور شہادت پیش کرتا ہوں وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۝ (56:76) ''اور اگر تم علم و بصیرت کی بارگاہ سے دریافت کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ شہادت کس قدر محکم اور پائیدار ہے۔''

ہم شہروں کے رہنے والے ستاروں کی گزرگاہوں کی اہمیت کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس کے متعلق پوچھئے صحرا نورد بدوؤں سے جن کی ساری زندگی سفر میں گزرتی تھی اور سفر بھی بیشتر رات کی تاریکی میں، اُس صحرا میں جہاں نہ کوئی نشانِ راہ ہوتا تھا، نہ دلیلِ منزل۔ ان حالات میں ان کے سفر کی راہنمائی صرف ستاروں کی گذرگاہوں سے ہوتی تھی۔ وہ ان سے راستہ کا تعین کرتے تھے اور انہیں اس کا عملی یقین ہوتا تھا کہ وہ نہ راستہ بتانے میں کبھی غلطی کریں گے، نہ منزل کی طرف لے جانے میں فریب دیں گے۔ آج بھی ان گزرگاہوں کی اہمیت جہاز رانوں اور علم الافلاک کے محققین سے دریافت کی جا سکتی ہے۔ ان گذرگاہوں کو بطورِ شہادت پیش کرنے کے بعد فرمایا کہ: اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ (56:77) جس طرح یہ ستارے تمہیں منزلِ مقصود تک پہنچانے میں چراغِ راہ بنتے ہیں، اور اس میں کبھی دھوکا نہیں دیتے۔ اسی طرح یہ قرآن بھی انسانی زندگی کے سفر میں تمہاری

راہنمائی کرے گا اور اس میں یہ غلطی کرے گا نہ دھوکا دے گا۔

سورۂ تکویر میں اس اجمال کو قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جہاں کہا کہ: فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۙ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۙ﴿۱۶﴾ (81:15-16) ''یہی نہیں۔ بلکہ میں شہادت میں پیش کرتا ہوں ان سیاروں کو جو پچھلے پاؤں لوٹ جاتے ہیں، اور انہیں بھی جو برق رفتار غزالہ کی طرح تیزی سے آگے بڑھ کر نگاہوں سے اوجھل ہوجاتے ہیں۔'' وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ۙ﴿۱۷﴾ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۙ﴿۱۸﴾ (81:17-18) ''اور شہادت میں پیش کرتا ہوں لیلائے شب کو جب وہ دبے پاؤں آتی ہے اور اسی طرح خاموشی سے لوٹ جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی عذرائے سحر کو جب وہ اپنی مسیحا نفسی سے ساری دنیا کو حیاتِ نو کا پیغام دینے، مشرق کے جھروکے سے نمودار ہوتی ہے۔ میں شہادت میں پیش کرتا ہوں ان تمام کائناتی شواہد کو اس حقیقت کی تصدیق کے لئے کہ: اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ﴿۱۹﴾ (81:19) ''جس شخص کی زبان سے تم اس، قرآن کو سن رہے ہو، وہ یہ کچھ اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا۔ وہ تو ہمارا قاصد ہے، اور ہمارا پیغام تم تک پہنچا رہا ہے۔ وہ قاصد نہایت واجب التکریم ہے، اور یہ پیغام بھی واجب التکریم (56:77) اور جس خدا نے اسے بھیجا ہے وہ بھی واجب التکریم (23:116)''

سورۂ الطارق میں ہے: وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۙ﴿۱۱﴾ (86:11) ''یہ فضائی کرے جو اس قدر عظیم الجثہ ہونے کے باوجود اس حسن وخوبی سے اپنے اپنے مدار میں مصروفِ گردش ہیں'' (36:40) اور اپنی گردش سے زندگی کے نئے نئے پہلو سامنے لاتے ہیں، وہ بھی اس حقیقت پر شاہد ہیں اور یہ زمین بھی جو بیج کو پھاڑ کر اس میں سے ایک کونپل کی شکل میں ایک نئی زندگی کی نمود کرتی ہے (وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۙ﴿۱۲﴾ (86:12)) یہ سب اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ ___ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۙ﴿۱۳﴾ (86:13) ''یہ قرآن ایک فیصلہ کن حقیقت ہے۔ اس میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ غلط اور صحیح، حق اور باطل کو، نکھار کر الگ الگ کر دیتا ہے۔'' وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۭ﴿۱۴﴾ ___ (86:14) ''یہ یونہی مذاق نہیں۔ تم کہتے ہو کہ یہ شاعری ہے جسے زمانے کی گردشیں خود بخود مٹا دیں گی۔'' اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾ (52:30) ''یہ بھی تمہارا واہمہ ہے۔'' فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۙ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۙ﴿۳۹﴾ (69:38-39) ''جو کچھ تمہیں دکھائی دیتا ہے۔ یعنی یہ عالمِ محسوس۔ اور جو کچھ تمہاری نگاہوں سے پوشیدہ ہے'' وہ سب اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ (69:40-41) ''یہ قرآن ایک واجب التکریم قاصد کی وساطت سے پہنچنے والا ابدی حقائق کا مجموعہ ہے۔ یہ شاعرانہ تخیلات کا نگاہ فریب مرقع نہیں جو مرورِ زمانہ سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جایا کرتے ہیں۔''

قرآنِ کریم میں بکثرت مقامات ہیں جہاں نظامِ کائنات اور اس کے عناصر کو قرآنی حقائق اور دعاوی کی تائید میں بطورِ شہادت پیش کیا گیا ہے۔ نظامِ کائنات کی کیفیت یہ ہے کہ اس کے تمام رموز واسرار بیک وقت سامنے نہیں آجاتے۔ جوں جوں علمِ انسانی ترقی کریگا اور محققین کی کاوشیں ان پر پڑے ہوئے پردوں کو اٹھاتی جائیں گی۔ یعنی انہیں (Discover) بے نقاب کرتی جائیں گی، یہ اُبھر کر سامنے آتے جائیں گے۔ اس بنا پر قرآن نے کہا ہے کہ:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۵۳ (41:53)

ہم عالمِ انفس وآفاق۔ یعنی انسان کی خود اپنی زندگی اور خارجی کائنات میں اپنی نشانیاں دکھاتے جائیں گے اور ہر حقیقت جو اس طرح بے نقاب ہوگی اس امر کی شہادت پیش کرے گی کہ قرآن کا ہر دعویٰ حقیقت پر مبنی ہے۔ یہ اس لئے کہ یہ قرآن اس خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے کہ تمام مستور حقائق اس کی نگاہوں کے سامنے ہیں۔ وہ تمہاری نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں، اس سے نہیں۔

اس آیۂ جلیلہ میں قرآنِ کریم نے عظیم حقائق کو پیش کیا ہے۔ اس نے اربابِ علم ودانش کو تاکید کی ہے کہ وہ رموزِ فطرت دریافت کرنے میں مسلسل کوشش کرتے رہیں اور دوسرے اس نے یہ کہا ہے کہ قرآنِ کریم کے احکام واوامر تو ہر دور میں واضح طور پر سامنے رہیں گے، لیکن اس کے حقائق ومعارف تمام کے تمام کسی ایک دور میں منکشف نہیں ہوجائیں گے۔ علمِ انسانی کی سطح جوں جوں بلند ہوگی رفتہ رفتہ بے نقاب ہوتے جائیں گے۔ اس لئے یہ ہر زمانے کے اربابِ علم کے لئے موضوعِ تحقیق و ہدفِ کاوش رہے گا۔ اس کا حرفِ آخر، آخری دور کے انسان کے لئے چھوڑا گیا ہے۔ لہٰذا کسی دور کے انسانوں کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہوگا کہ قرآنی حقائق کے متعلق جو کچھ سمجھا جاتا تھا، سمجھا جاچکا ہے۔ اب اس میں فکر وتدبر کے لئے کچھ باقی نہیں رہا۔

مومنین کا شیوہ:

نظامِ کائنات کی یہی اہمیت ہے جس کے پیشِ نظر اس نے علمی تحقیقات پر اس قدر زور دیا ہے۔ (مثلاً) سورۂ آلِ عمران میں ہے:

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۸۹ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝۱۹۰ (3:189-190)

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ عقل وبصیرت سے کام لیتے ہیں ان کے لئے تخلیقِ کائنات اور گردشِ لیل ونہار میں قوانینِ خداوندی کی حقیقت اور ہمہ گیری کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں ان صاحبانِ عقل وبصیرت اور اربابِ فکر ونظر کے لئے جو زندگی کے ہر گوشے میں، کھڑے بیٹھے لیٹے، قوانینِ خداوندی کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھتے ہیں اور کائنات کی تخلیقی ترکیب پر غور وفکر کرتے رہتے ہیں اور اپنی تحقیقات اور انکشافات کے بعد علیٰ وجہ البصیرت پکار اُٹھتے ہیں کہ اے ہمارے نشوونما دینے والے! تو نے اس کارگہۂ کائنات کو نہ تو عبث وبے کار پیدا کیا ہے اور نہ ہی تخریبی نتائج پیدا کرنے کے لیے۔ تیری ذات اس سے بہت بلند ہے کہ تو اتنے عظیم نظام کو بلا مقصد پیدا کردے۔ یہ ہماری کم علمی اور کوتاہ نگہی ہے کہ ہم تحقیق سے کام نہیں لیتے اور اس طرح اشیائے کائنات کے نفع بخش پہلوؤں سے بے خبر رہ کر عذاب کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ تو ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم علمی تحقیقات اور عملی تجربات کے بعد عناصرِ کائنات

سے صحیح صحیح فائدہ اٹھائیں اور اس طرح تباہ کن عذاب کی زندگی سے محفوظ رہیں۔

علماء کون ہیں؟

ہمارے ہاں جن حضرات کو ''علماء کرام'' کہا جاتا ہے، قوانینِ فطرت کے متعلق ان کے مبلغِ علم کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن دیکھئے کہ قرآن مجید، علماء کن لوگوں کو قرار دیتا ہے۔ سورۂ فاطر میں ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ ۔۔۔(35:27) تم نے کبھی اس پر غور کیا ہے کہ بادلوں سے ایک جیسا پانی برستا ہے لیکن اس سے مختلف انواع واقسام کے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ سب پھل اور فصلیں ایک جیسی ہوں۔'' ۔۔۔وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ (35:27) ''اور پہاڑوں کو دیکھو کہ ان کا مادۂ تخلیق ایک ہی تھا لیکن ان میں مختلف رنگوں کے خطے ہیں ــــــ کوئی سفید، کوئی سرخ، کوئی کالا بھجنگ۔'' (اور ہر خطہ اپنے اندر ارتقائی منازل کی داستانیں مرقوم ومحفوظ رکھے ہوئے ہے)۔ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ ۔۔۔(35:28) ''اسی طرح انسان اور دیگر حیوان اور مویشی بھی مختلف النوع ہیں۔''

آپ غور کیجئے کہ علومِ سائنس کے مختلف شعبے ان آیات کے اندر آ گئے ہیں۔ اس کے بعد کہا کہ صحیفۂ فطرت کے یہ اوراق جو قوانینِ خداوندی کی زندہ شہادت ہیں، سب کے سامنے کھلے رہتے ہیں، لیکن ان ۔۔۔ قوانین کی عظمت کے سامنے وہی جھکتے ہیں جو ان پر علم وبصیرت کی رُو سے غور کرتے ہیں۔ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾ (35:28) ''یہی لوگ ہیں جو علماء کہلانے کے مستحق ہیں اور یہی جان سکتے ہیں کہ خدا کا قانون کس قدر غلبہ کا مالک ہے اور جو لوگ ان کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں، وہ انہیں کس قدر سامانِ حفاظت عطا کر دیتا ہے۔'' (نیز 24-30:22)۔ آپ غور کیجئے کہ جن لوگوں کو قرآنِ کریم نے علماء کہا ہے، کیا وہ وہی نہیں جنہیں دورِ حاضرہ کی اصطلاح میں سائنٹسٹ کہا جاتا ہے؟

تسخیرِ کائنات:

قرآنِ کریم نے، نظامِ کائنات، پر غور وفکر کی محض نظری طور پر تاکید ہی نہیں کی۔ اس نے کہا ہے کہ:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ (45:13)

اللہ تعالیٰ نے اپنے قوانین کی رُو سے، کائنات کی پستیوں اور بلندیوں (یعنی جملہ کائنات) کو تمہارے لیے تابع تسخیر کر دیا ہے۔ لیکن اس حقیقت کو وہی لوگ سمجھ سکیں گے جو غور وفکر سے کام لیں گے۔

اس نے کہا یہ ہے کہ قوانینِ فطرت کا علم حاصل کرنا اس لئے ضروری ہے کہ تم اس سے فطرت کی قوتوں کو مسخر کر سکو گے۔ اس سے آپ نے دیکھ لیا کہ قرآن نے جو شروع ہی میں کہا تھا کہ اس میں خود تمہارے لئے شرف ومجد کا راز پوشیدہ ہے، تو وہ دعویٰ کس قدر صداقت پر مبنی ہے۔ جو قومیں فطرت کی قوتوں کو مسخر کر لیتی ہیں، انہیں کس قدر قوت اور ثروت حاصل ہو جاتی

ہے، اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اُمتِ مسلمہ کے لئے یہ چیزیں، شرف ومجد کا صرف ایک پہلو ہیں۔ اس کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے انہیں قرآن کی ابدی اقدار کے مطابق صرف میں لایا جائے۔ (اس کے متعلق تفصیل سے بعد میں گفتگو کی جائے گی)

علامہ اقبالؒ نے قصۂ آدم کو اپنے تمثیلی انداز میں بڑے خوبصورت اسلوب سے پیش کیا ہے، آدم فرشتوں کے جلو میں زمین کی طرف آتا ہے تو روحِ ارضی یہ کہہ کر اس کا استقبال کرتی ہے کہ:

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ!

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں — یہ گنبدِ افلاک یہ خاموش فضائیں!
یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر، یہ ہوائیں — تھیں پیشِ نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ!

خورشیدِ جہاں تاب کی ضَو تیرے شرر میں — آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں!
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں — جنت تری پنہاں ہے ترے خونِ جگر میں
اے پیکرِ گل کوششِ پیہم کی جزا دیکھ!

(بالِ جبریل، ص:178)

عقل وفکر سے کام نہ لینے والے:

خارجی کائنات سے آگے بڑھ کر، اب خود انسان کی طرف آیئے، قرآنِ کریم نے متعدد مقامات پر بتایا ہے کہ انسان، حیوانات سے اشرف اور ممتاز اس لئے ہے کہ اسے غور وتدبر، عقل وفکر، علم وبصیرت کی صلاحیت دی گئی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ انسان کے حیطۂ علم وبصیرت سے صرف ایک چیز باہر ہے اور وہ ہے وحی کی کنہ وحقیقت۔ یعنی یہ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو وحی کس طرح ملتی تھی اور اس کا سرچشمہ کیا تھا۔ صرف یہ چیز عقلِ انسانی سے ماوراء ہے۔ عقلِ انسانی نہ وحی کی تخلیق کر سکتی ہے، اور نہ یہ جان سکتی ہے کہ نبی کو وحی ملتی کس طرح تھی۔ اس کے بعد، جب حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی وساطت سے، وحی انسانوں تک پہنچ جاتی تھی، تو اسے غور وفکر اور علم وبصیرت کی رُو سے سمجھا جا سکتا تھا۔ قرآنِ کریم نے علم وعقل اور فکر و بصیرت کی اہمیت پر اس قدر زور دیا ہے کہ اس کی تفصیل میں جانے کے لیے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہوگی۔ وہ عقل وفکر سے کام نہ لینے والوں کو جہنمی قرار دیتا ہے۔ سورۂ اعراف میں ہے: وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ (7:179) صحرائی اور شہری آبادیوں کی اکثریت ان لوگوں پر مشتمل ہے جن کا اندازِ زیست زبانِ حال سے بتاتا ہے کہ یہ جہنمی مخلوق ہے۔۔۔ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۔۔۔(7:179)’’یہ وہ لوگ ہیں جو سینوں میں دل تو رکھتے ہیں لیکن اس سے سمجھنے سوچنے کا کام نہیں لیتے۔ وہ ماتھے پر آنکھیں بھی رکھتے ہیں لیکن ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ ان کے کان بھی ہوتے ہیں لیکن ان سے سننے کا کام نہیں لیتے۔ یہ لوگ دیکھنے میں تو انسان نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت حیوان ہوتے ہیں۔ بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔۔۔‘‘

سورۂ انفال میں ہے: اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (8:22)’’ خدا کے نزدیک، بدترین خلائق وہ لوگ ہیں جو بہرے اور گونگے بنے رہتے ہیں یعنی وہ لوگ جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ سورۂ الملک میں ہے کہ جہنم کا داروغہ جہنم میں داخل ہونے والوں سے پوچھے گا کہ تم نے کیا کیا تھا جس کی وجہ سے تم جہنم میں داخل کئے جا رہے ہو؟ وہ جواب میں کہیں گے کہ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (67:10)’’اگر ہم سچی بات دل کے کانوں سے سنتے اور عقل وفکر سے کام لیتے تو اہلِ جہنم میں سے نہ ہوتے۔‘‘ عقل وفکر سے کام نہ لینا ہے جس کی وجہ سے ہم جہنم میں دھکیلے جا رہے ہیں۔ سورۂ حم میں ہے کہ قرآن تو ہے ہی ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (41:3)’’قرآن واضح عربی زبان کی کتاب ہے جس کے احکام وحقائق نکھار کر بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن یہ اس قوم کے لئے ہے جو علم وعقل سے کام لے۔‘‘ یہ تو آپ پہلے دیکھ چکے ہیں کہ قرآن، علم کسے قرار دیتا ہے اور علماء کن لوگوں کو کہتا ہے۔

قرآن کریم تدبر وتفکر پر بڑا زور دیتا ہے۔ وہ قرآن سے اعراض برتنے والوں کے متعلق کہتا ہے: اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (47:24)’’یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے۔ کیا انہوں نے اپنے دلوں پر (خود ساختہ) تالے ڈال رکھے ہیں؟‘‘ (نیز 23:68) سورۃ النساء میں ہے: اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (4:82)’’کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے۔ اگر یہ فکر وتدبر سے کام لیتے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں۔ اور یہ بھی اس کے منجانب اللہ ہونے کی ایک دلیل ہے‘‘۔ سورۂ ص میں ہے: كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (38:29)’’یہ مبارک کتاب ہم نے تیری طرف نازل کی ہے تاکہ لوگ اس میں غور وتدبر کریں اور صاحبانِ عقل وبصیرت اس سے حقائق پر آگاہ ہوں۔‘‘

ظاہر ہے کہ یہ غور وتدبر کسی خاص دور تک محدود نہیں تھا کہ قرآن پر جس قدر تدبر کیا جانا تھا وہ اس دور میں کیا جا چکا ہے اور اب اس پر مزید غور نہیں کیا جا سکتا۔ تدبر کا لفظ تمام مسلمانوں کے لئے اور ہر زمانے کے لیے ہے۔ جب قرآن قیامت تک کے لئے ضابطۂ راہنمائی ہے تو اس پر غور وفکر کے دروازے بھی ہمیشہ کے لئے کھلے ہیں۔ یہ کہنا کہ غور وتدبر اسلاف تک محدود تھا۔ انہوں نے جتنا تدبر کیا جانا ضروری تھا، کر لیا۔ اب ہمیں ان کی تقلید کئے جانا چاہئے۔ قرآنِ کریم اس تصور اور مسلک کی بڑی شدت سے مخالفت کرتا ہے۔ کیونکہ اس سے عقل وفکر اور علم وبصیرت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور انسان، انسانی

سطح سے گر کر، حیوانی سطح پر پہنچ جاتا ہے۔ جہاں ہانکنے والا جدھر چاہے اُسے ہانک کر لے جائے۔ نہ کسی دور میں علم کی راہیں مسدود ہوتی ہیں، نہ قرآن میں غور وتدبر کے دروازے بند ہوتے ہیں۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ ایمان کے معنی یہ ہیں کہ انسان بلا سوچے سمجھے ان باتوں کو مان لے جو ہمارے ہاں روایتاً چلی آرہی ہیں۔ لیکن سنئے کہ قرآن، مومن کن لوگوں کو قرار دیتا ہے وہ کہتا ہے: وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿25:73﴾ ''مومن وہ ہیں کہ (اور تو اور) جب ان کے سامنے آیاتِ خداوندی بھی پیش کی جاتی ہیں تو وہ ان پر بہرے اور اندھے بن کر نہیں گر پڑتے۔ غور وفکر کے بعد اُنہیں قبول کرتے ہیں۔'' اسے کہتے ہیں قرآن کی رُو سے ایمان! یہ وجہ ہے جو وہ، ہم پیدائشی مسلمانوں کو بھی ایمان لانے کے لیے کہتا ہے۔ (4:136)

یہ ہے عزیزانِ من! قرآن کی رُو سے، عقل وفکر اور علم وبصیرت کی اہمیت۔ صدرِ اوّل کے مسلمان اسی طرح ایمان لائے تھے اور تمام معاملات پر اسی انداز سے غور وفکر کرتے تھے۔

اس کے بعد کیا ہوا؟

لیکن اس کے بعد جب حالات نے پلٹا کھایا تو مخالفینِ اسلام نے سب سے پہلے قندیلِ قرآنی کو انسانی تخیلات کے دبیز پردوں سے ڈھانپ دیا۔ جب وہ روشنی بجھ گئی تو اس کے ساتھ ہی عقل وفکر کی شمعیں بھی گل ہونا شروع ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کا مقصد یہ بتایا تھا:

لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۔۔۔ (57:9)

یہ تمہیں جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر (علم وبصیرت کی) روشنی میں لے آئے گا۔

اس کے برعکس طاغوتی قوتوں کا حربہ یہ بتایا تھا: يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۔ (2:257) ''وہ انہیں روشنی سے تاریکی کی طرف لے جائیں گی۔'' ان قوتوں نے یہی حربہ استعمال کیا۔ اور اس کے لیے انہیں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ انہوں نے کچھ روایات وضع کیں اور انہیں احادیثِ رسول اللہ ﷺ کے نام سے مشہور کر دیا اور ان کے متعلق عقیدہ یہ وضع کر دیا کہ ان کے انکار سے مسلمان دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ یہ روایات کس قسم کی ہیں انہیں آپ احادیث کے کسی بھی مجموعہ میں دیکھ سکتے ہیں۔ میں یہاں دو چار ایسی روایات پیش کروں گا۔ جامع ترمذی، میں حضرت عباسؓ کی ایک روایت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ:

چند وضعی روایات:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک 71 یا 72، 73 سال کی راہ ہے اور سات آسمان ہیں جن میں سے ہر ایک سے دوسرے کا فاصلہ اسی قدر ہے۔ ساتویں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے جس کی گہرائی بھی اتنی ہی ہے۔ اس کے اوپر سات پہاڑی بکرے ہیں جن کے کھروں سے گھٹنوں تک اسی قدر فاصلہ ہے ان بکروں کی پشت پر عرش

ہے جس کی موٹائی اسی قدر ہے۔

بخاری شریف کی ایک روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ موسم کس طرح بدلتے ہیں۔ کبھی سردی آجاتی ہے۔ کبھی گرمی، تو آپ نے فرمایا کہ:

دوزخ نے اپنے پروردگار سے شکایت کی کہ اے میرے پروردگار! میرے ایک حصے نے میرے دوسرے حصے کو کھالیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے دو مرتبہ سانس لینے کی اجازت دے دی۔ ایک سانس جاڑوں میں، اور ایک گرمی میں۔ پس تم جو سخت سردی دیکھتے ہو تو یہ بھی جہنم کی سانس ہے۔

اسی بخاری میں ہے:

حضرت ابوہریرہؓ، نبی (ﷺ) سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک گروہ بنی اسرائیل کا کھو گیا۔ نہیں معلوم کیا ہوا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ یہ چوہے وہی ہیں کہ جب ان کے سامنے اونٹ کا دودھ رکھا جاتا ہے تو وہ نہیں پیتے اور جب ان کے سامنے بکریوں کا دودھ رکھا جاتا ہے تو وہ پی لیتے ہیں۔

اسی کی ایک اور روایت:

حضرت ابوہریرہؓ، نبی (ﷺ) سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل برہنہ غسل کیا کرتے تھے۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھتا اور حضرت موسیٰؑ تنہا غسل کیا کرتے تھے۔ تو بنی اسرائیل نے کہا کہ واللہ! موسیٰؑ کو ہم لوگوں کے ساتھ غسل کرنے سے سوا اس کے کچھ مانع نہیں کہ وہ فتق میں مبتلا ہیں۔ اتفاق سے ایک دن موسیٰؑ غسل کرنے لگے اور اپنا لباس پتھر پر رکھ دیا۔ وہ پتھر ان کا لباس لے کر بھاگا اور حضرت موسیٰؑ بھی اس کے پیچھے پیچھے یہ کہتے ہوئے بھاگے کہ ''ثوبی یا حجر! ثوبی یا حجر!!'' اے پتھر! میرے کپڑے دے دے۔ یہاں تک بنی اسرائیل نے موسیٰؑ کی طرف دیکھ لیا اور کہا کہ واللہ! موسیٰؑ کو کچھ بیماری نہیں اور پتھر ٹھہر گیا۔ موسیٰؑ نے اپنا لباس لے لیا اور پتھر کو مارنے لگے۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! حضرت موسیٰؑ کی مار سے اس پتھر پر چھ یا سات نشان اب تک باقی ہیں۔

(ان روایات کے حوالوں کے لیے ادارہ طلوع اسلام کی طرف سے شائع کردہ کتاب ''مقامِ حدیث'' دیکھئے)

اگر یہ وضعی روایات، احادیث کے مجموعوں میں ہی محفوظ رہتیں تو بھی ان توہم پرستیوں کا دائرہ محدود رہتا۔ لیکن اس کے بعد یہ عقیدہ وضع کیا گیا کہ قرآنِ مجید کی بھی وہی تفسیر قابلِ اعتماد ہے جو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے اور یہ وہ تفسیر ہے جو ان روایات کی بنیادوں پر مرتب ہوتی ہے۔ یہ تفسیر کس قسم کی ہوتی ہے، میں اس کا صرف ایک نمونہ پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔ تفسیر ابن کثیر ہمارے ہاں کی نہایت قابلِ اعتماد تفسیر قرار دی جاتی ہے۔ اس میں حضرت نوحؑ کی کشتی کی تفاصیل بھی دی گئی ہیں جو قرآن میں ہیں۔ اس میں کہا گیا ہے کہ:

وہ بارہ سو ہاتھ لمبی اور چھ سو ہاتھ چوڑی تھی۔ تین درجوں کی تھی۔ ایک میں جانور اور چوپائے تھے۔ دوسرے میں

انسان، تیسرے میں پرند، جب جانوروں کا گوبر پھیل گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کی طرف وحی بھیجی کہ ہاتھی کی دم ہلاؤ۔ اس کے ہلاتے ہی اس سے خنزیر، نر اور مادہ نکل آئے اور وہ میلا کھانے لگے۔ چوہوں نے جب اس کے تختے کترنے شروع کئے تو حکم ہوا کی شیر کی پیشانی پر انگلی لگاؤ۔ اس سے بلی کا جوڑا نکلا اور چوہوں کی طرف لپکا۔

کشتی میں جو مخلوق سوار ہوئی تھی اس کے متعلق بھی تفصیل دی گئی ہے۔ لکھا ہے کہ نوحؑ کو حکمِ خدا ہوا کہ اپنے ساتھ جاندار مخلوق کی ہر قسم کا ایک ایک جوڑا نر، مادہ، سوار کرالو۔

سب سے آخر میں گدھا سوار ہونے لگا تو ابلیس اس کی دُم کے ساتھ لٹک گیا۔ جب اس کے دو اگلے پاؤں کشتی میں آ گئے اور اس نے اپنا پچھلا دھڑ اٹھانا چاہا تو نہ اُٹھ سکا۔ کیونکہ دُم پر اس ملعون کا بوجھ تھا۔ حضرت نوحؑ جلدی کر رہے تھے۔ گدھا بہتیرا چاہتا تھا لیکن پچھلے پاؤں چڑھ نہیں سکتا تھا۔ آخر آپ نے فرمایا: آجا! گو تیرے ساتھ ابلیس بھی ہو۔ تب وہ چڑھ گیا اور ابلیس بھی اس کے ساتھ آ گیا۔

(تفسیر ابنِ کثیر، اردو ترجمہ مولانا محمد جوناگڑھی، بارھواں پارہ، ص: 11-10)

یہ ہیں وہ احادیث اور یہ ہیں وہ تفاسیر، جنہیں (آٹھ نو سال تک) پڑھنے کے بعد، ہمارے دارالعلوموں کے طلباء، علماء بن جاتے ہیں۔ ان دارالعلوموں میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد، ان طالب علموں کی ذہنی کیفیت کس قسم کی ہو جاتی ہے، اس کے متعلق ہم سے نہیں، انہی کے زمرہ کے ممتاز ترین علماء کی زبان سے سنیے، مصر کی جامع ازہر کا نام آپ نے سنا ہوگا۔ وہ دنیا میں قدیم مذہبی تعلیم کی سب سے بڑی درسگاہ ہے۔ اور علامہ جمال الدین افغانیؒ (مرحوم) کے شاگردِ رشید مفتی محمد عبدہٗ (مرحوم) کا نام بھی سن رکھا ہوگا جن کا شمار، ایک مدت تک اس یونیورسٹی کے بلند ترین ارکان میں ہوتا تھا۔ وہ اس یونیورسٹی کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

> ''جو شخص ازہر یا اس قبیل کے مدارس میں جتنی مدت تک تحصیلِ علم کرتا ہے اتنی ہی اس میں تحصیلِ علم کی صلاحیت کم ہوتی جاتی ہے۔ (تفسیر المنار، حصہ اوّل، ص: 181)

ان کے شاگردِ رشید، علامہ رشید رضا (مرحوم) اپنے استاد کا یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> ''ان کا خیال تھا کہ علماء ازہر اور ان کی قسم کے اور بڑے بڑے شیوخ و علماء وہ لوگ ہیں جن کی اصلاح کی اُمید باقی نہیں رہی۔''

سرسیدؒ:

قلتِ وقت کی بنا پر میں اس وقت اربابِ شریعت تک محدود رہنا چاہتا ہوں، ورنہ اربابِ طریقت نے تو سرے سے دنیا اور اس کے متعلقات کو حرام اور کائناتی علوم کو باطل قرار دے رکھا تھا۔۔۔ (تفصیل اس کی میری کتاب ''تصوف کی حقیقت''

میں ملے گی)۔ یہ تھی بہرحال، ظلمات ___ گھٹاٹوپ تاریکیوں ___ کی وہ جہل آفریں فضا جس میں یہ اُمت صدیوں سے ڈوبے چلی آرہی تھی۔ ظاہر ہے کہ جس قوم کا علم وتحقیق کے متعلق یہ طرزِ عمل ہو، وہ مصافِ زندگی میں دیگر اقوامِ عالم کا مقابلہ کس طرح کرسکتی ہے؟ نتیجہ یہ کہ آبادی، جغرافیائی محلِ وقوع، معدنی ذخائر، ارضی پیداوار کے امکانات وغیرہ کی اکثریت کے باوجود یہ اُمت، ذلت وخواری، اور محتاجی ومحکومی کی زندگی بسر کرتی چلی آرہی تھی۔ ویسے تو اس کی ساری دنیا میں یہی حالت تھی لیکن، ہندوستان میں 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد یہ قریب المرگ ہوچکی تھی۔ لیکن مبداءِ فیض کی کرم گستری سے عین اس وقت یہاں ایک ایسا بطلِ جلیل پیدا ہوگیا جس نے واقعی مسیحائی کا کام کیا۔ وہ تھا سرسید احمد خان (اعلیٰ اللہ المقامہٗ) سرسید نے سیاسی دنیا میں کیا کیا کارنامے سرانجام دیئے، وہ سرِ دست میرے موضوع سے خارج ہیں۔ اس نے علمی دنیا میں جو معرکہ آرا انقلاب برپا کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس نے جب اس اُمت کے زوال پر غور کیا تو اس نے دیکھا کہ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے جن علومِ فطرت (Natural Sciences) اور تسخیرِ فطرت پر اس قدر زور دیا تھا، اس قوم نے انہیں گم کردیا اور ہر قسم کی جہالت اور توہم پرستی کو علم قرار دے دیا۔ چنانچہ اس نے اپنا اولین فریضہ یہ سمجھا کہ قوم کو بتایا جائے کہ قرآنِ مجید نے ان علوم کو کس قدر اہمیت دی ہے۔ اس زمانے میں فطرت کا لفظ اُن معنوں میں نہیں استعمال ہوتا تھا جن معانی میں یہ اب استعمال ہونے لگا ہے۔ اس زمانے میں انگریزی کا لفظ نیچر ہی اس مفہوم کو ادا کرسکتا تھا، چنانچہ سرسیدؔ نے قرآنِ کریم کی روشنی میں، نیچر کے علوم اور اس کی تسخیر کی اہمیت کو بہ تکرار واصرار واشگاف کیا۔ یہ واضح ہے کہ سائنٹیفک انکشافات، انسانی علم کی وسعت کے ساتھ بڑھتے اور (بعض مقامات پر) بدلتے جاتے ہیں۔ اس لئے (سرسید کے زمانے کے بعد) اس سو سال کے عرصہ میں ان میں اکثر تبدیلیاں آچکی ہیں۔ اس اعتبار سے، سرسید نے جو جزئیات اور فروعات پیش کی تھیں، ان میں سے اکثر سے اختلاف کیا جاسکتا ہے ___ اور اس میں ہماری بھی کوئی کاریگری اور ہنرمندی نہیں۔ خود علمِ انسانی کی سطح بلند ہوگئی ہے لیکن اس سرسیّد نے جو اصول پیش کیا تھا اس سے قطعاً اختلاف نہیں کیا جاسکتا۔ اس نے بطورِ اصول یہ کہا تھا کہ جب تک مسلمان، قوانینِ فطرت کا علم حاصل کرکے، فطرت کی قوتوں کو مسخر نہیں کرتے، زندہ قوموں کی صف میں ان کا شمار نہیں ہوسکتا۔ یہ علوم (اس زمانے میں اور اب بھی) انگریزی زبان میں تھے اس لئے اس نے انگریزی زبان کی تحصیل کو اولین ضرورت قرار دیا۔ اس نے یہ کچھ نظری طور پر ہی نہیں کیا۔ اس کے لیے ایک درسگاہ قائم کرکے، اس کا عملی نمونہ بھی پیش کردیا۔ اس شمع سے جو شعاعیں بلند ہوئیں اور پھیلیں۔ تو اس نے دور دور تک تاریکی کے پردوں کو چاک کردیا۔ آج مسلمانوں کی دنیا میں علومِ فطرت کے جس قدر آثار دکھائی دے رہے ہیں وہ اسی مردِ راہ بیں کی دُور نگہی کا صدقہ ہیں۔ اس مسیحا نفس کا ملتِ مرحومہ پر جس قدر احسان ہے اس کا بدلہ ہی نہیں دیا جاسکتا۔ آج ملتِ اسلامیہ میں جس قدر ڈاکٹر، انجینئر، علوم طبیعیات اور علم الافلاک کے ماہرین اور دیگر دانشور ہیں وہ نخلِ سرسید ہی کے اثمار ہیں۔ اگر سرسید نہ آتا تو ہم آج بھی یہی کہتے کہ اوپر تلے سات آسمان ہیں، ساتویں آسمان پر سات پہاڑی بکرے ہیں جنہوں نے اپنی پشت پر عرشِ الٰہی اٹھا رکھا ہے۔

لیکن جو لوگ صدیوں سے آنکھیں بند کئے تاریکی میں زندگی بسر کر رہے تھے وہ اس روشنی کو کس طرح برداشت کر سکتے تھے۔ اربابِ مذہب کی طرف سے سرسید کی مخالفت ہوئی اور سخت مخالفت۔ کفر کے فتوے چاروں طرف سے ہجوم کر کے اُبھر آئے اور جب یہاں کے فتوؤں سے جی نہ بھرا تو مکہ مدینہ سے فتویٰ منگائے گئے جن میں کہا گیا کہ:

''یہ شخص ضال اور مضل ہے۔ بلکہ ابلیس لعین کا خلیفہ ہے کہ مسلمان کے اغواء کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس کا فتنہ یہود و نصاریٰ کے فتنہ سے بڑھ کر ہے۔ واجب ہے اولی الامر پر اس سے انتقام لینا۔''

(حیاتِ جاوید)

نیچری:

کسی کے خلاف کفر کا فتویٰ عائد کرنے سے پہلے ضروری ہوتا ہے کہ اس پر کسی فرقے کی چٹ چپکا دی جائے۔ سرسید تو فرقہ بندی کے خلاف تھا اس لئے اسے کس فرقہ کی طرف نسبت سے مطعون کرتے؟ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں وہ نیچر پر بڑا زور دیتا تھا اس لئے کہا گیا کہ وہ نیچری ہے اور نیچری کافر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد نیچری ایک فرقہ بنا دیا گیا۔ چنانچہ جو شخص سرسید کے خیالات سے متفق ہوتا اس کے متعلق کہہ دیا جاتا کہ وہ نیچری ہے۔ جس طرح آج کل جسے مطعون کرنا مقصود ہو اس کے متعلق کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ پرویزی ہے۔ بہرحال سرسید کے خلاف کفر و الحاد کے فتوؤں کی بوچھاڑ ہوتی رہی اور وہ نہایت صبر اور ضبط سے انہیں برداشت کرتا رہا۔

کفر کے یہ فتوے اس شخص کے خلاف لگائے جا رہے تھے جو اپنے طالب علموں سے کہہ رہا تھا کہ:

''یاد رکھو! سب سے سچا کلمہ لا الہ الّا اللہ محمّد رسول اللہ ہے۔ اس پر یقین رکھنے کی بدولت ہماری قوم، ہماری قوم ہے۔ اگر تم نے سب کچھ کیا اور اس پر یقین نہ کیا تو تم ہماری قوم نہ رہے۔ پھر تم اگر آسمان کے تارے بھی ہو گئے تو کیا؟ مجھے اُمید ہے تم علم اور اسلام دونوں کے نمونے ہو گے اور جبھی ہماری قوم کو عزت نصیب ہو گی۔''

ہماری نئی نسل کے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں مذہب کے خلاف جو بغاوت اُبھر رہی ہے اس کے متعلق آپ کو ہر محراب و منبر سے یہ آواز مسلسل سنائی دے گی کہ یہ سب اس مغربی تعلیم کا نتیجہ ہے جس کا بیج سرسید نے بویا۔۔۔ انہیں کون بتائے کہ یہ سرسید کی تعلیم کا نتیجہ نہیں۔ یہ نتیجہ ہے اس مذہبی تعلیم کا جس کی رُو سے آپ انہیں بتاتے ہیں کہ بابا آدم کی پسلی چیر کر اس میں سے ان کی بیوی نکالی گئی تھی۔ وہ اس مذہب سے متنفر نہ ہوں گے تو کیا اُسے گلے سے لگائیں گے؟۔۔۔ سرسیدؒ کی تعلیم نے جس قسم کے مسلمان پیدا کئے تھے اس کی ایک مثال، ہفتہ وار ''صدق'' (لکھنؤ) کے مرحوم مدیر، مولانا عبدالماجد دریابادی کی زبان سے سنئے۔ انہوں نے لکھا تھا:

''غالباً 1898ء کا ذکر ہے۔ سرسید کی وفات یا تو ہو چکی تھی یا عنقریب ہونے کو تھی۔ علی گڑھ کی شہرت کرکٹ کے میدان میں ہندوستان گیر ہو چکی تھی کہ ایک کرکٹ میچ، سوسروس والوں کے مقابلہ میں نینی تال میں قرار پایا۔ میچ شروع ہوا اور اتفاق کہ جمعہ کا دن تھا سول سروس ٹیم کھیل رہی تھی اور علی گڑھ کھلا رہی تھی۔ علی گڑھ کے شہرۂ آفاق باؤلر اشفاق باؤلنگ کر رہے تھے۔ ایک مرتبہ جو اشفاق نے گیند پھینکنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تو یکا یک نماز جمعہ کی اذان کی آواز کان میں آئی۔ معاً بلا توقف اس کا اٹھا ہوا ہاتھ، نیچے گر گیا۔ اشفاق نے اتنا بھی نہ کیا کہ باؤلنگ پوری کر لیتا۔ سول سروس والے اس پابندی و احکام پر عش عش کر اُٹھے۔ (طلوع اسلام، جون 1968ء، ص:24)

یہ تھے ''نیچری'' سرسید کی درسگاہ کے تعلیم و تربیت یافتہ نوجوان! فرمایئے؟ سرسید کے خلاف طعن و تشنیع کے تیز برسانے والے ہزار ہاتھ، اشفاق کے اس گرنے والے ہاتھ پر نچھاور کئے جا سکتے ہیں یا نہیں؟ (مطبوعہ، اگست 1982ء)

(جاری ہے)

دروس القرآن کی نئی جلدیں شائع ہو گئیں

1۔ سورۂ آلِ عمران (جلد اوّل)، صفحات: 500 تقریباً، قیمت: 500 روپے
2۔ سورۂ آلِ عمران (جلد دوم)، صفحات: 500 تقریباً، قیمت: 500 روپے
3۔ سورۃ المائدہ، صفحات: 450 تقریباً، قیمت: 500 روپے
4۔ سورۃ الانعام، صفحات: 600 تقریباً، قیمت: 600 روپے
5۔ سورۂ انفال، صفحات: 210 تقریباً، قیمت: 250 روپے
6۔ سورۂ توبہ، صفحات: 530 تقریباً، قیمت: 550 روپے
7۔ سورۂ ھود، صفحات: 400 تقریباً، قیمت: 400 روپے
8۔ سورۂ یوسف، صفحات: 300 تقریباً، قیمت: 300 روپے
9۔ سورۂ الرعد، ابراہیم، الحجر، صفحات: 500 تقریباً، قیمت: 500 روپے

ملنے کا پتہ:

ادارہ طلوع اسلام 25 بی گلبرگ 2 لاہور
Phone: 042-35714546, Cell: 0321-4460787

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
www.azharabbas.com
khawaja.azharabbas@gmail.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''ایک اسلامی ریاست کی جستجو''

بہت عرصہ سے جناب افتخار مرشد صاحب کے مضامین مشہور اخبار ''دی نیوز'' میں طبع ہوتے چلے آرہے ہیں۔ جناب افتخار صاحب پرانے اور کہنہ مشق صحافی ہیں ان کے مضامین بہت Balanced اور پُرمغز ہوتے ہیں، ہمیں چونکہ ان کے مضامین بہت پسند ہیں اس لیے ہم ان کا ہر مضمون بہت اشتیاق سے ہر اتوار کو بغور مطالعہ کرتے ہیں اور اس سے علمی استفادہ کرتے ہیں۔

مورخہ 2 نومبر 2014ء میں جناب افتخار صاحب کا ایک مضمون بعنوان The Quest for an Islamic State یعنی ''ایک اسلامی مملکت کی جستجو'' طبع ہوا۔ اس مضمون کو پڑھ کر حیرت ہوئی کیونکہ یہ ان کی علمی سطح سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ اس مضمون میں اُنہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ قرآن کریم میں کسی حکومت کے قیام کا ذکر نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے مولانا مودودی مرحوم، الماوردی اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کا بھی حوالہ دیا ہے۔ مضمون میں بالکل آخر میں ان کا تحریر کردہ دس سطروں پر مشتمل ایک پیراگراف ہے جس میں انہوں نے اپنا نظریہ وضاحت سے بیان کیا ہے ہم اس پیراگراف کے صرف دو فقرے بجنسہٖ مع ترجمہ کے نقل کرتے ہیں۔ اس خیال سے کہ انگریزی اقتباس طویل نہ ہو اس لئے درمیان کے دو فقرے نظرانداز کرتے ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

1. What emerges is that the Quran is silent about an Islamic state, but it rejects dynastic rule.
2. Their religion does not prescribe an Islamic state and neither does it countenance hereditary monarchy.

(دی نیوز، 2 نومبر 2014ء)

ان فقروں کا اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیں تاکہ آپ کو گفتگو کا محور معلوم ہو سکے۔

(1) قرآن سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ قرآنِ کریم اسلامی سٹیٹ کے بارے میں خاموش ہے۔ لیکن یہ موروثی بادشاہت کی تردید کرتا ہے۔

(2) اُن (مسلمانوں) کا مذہب کوئی اسلامی سٹیٹ تجویز نہیں کرتا اور نہ ہی موروثی بادشاہت کی حمایت کرتا ہے۔

اپنے مضمون میں اسلامی سٹیٹ کے بارے میں جناب افتخار صاحب نے جو حوالے مودودی صاحب، الماوردی اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے دیئے ہیں، ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں ہے کیونکہ ان کے متعلق بات کرنے سے مضمون کا طویل ہونے

کا اندیشہ ہے۔ البتہ انہوں نے آیہ کریمہ (22:41) کا جو حوالہ دیا ہے اور فرمایا کہ مودودی صاحب نے جو اس آیت سے اقامتِ دین کا استنباط کیا ہے وہ درست نہیں ہے ہم اپنے مضمون کے آخر میں اس آیہ کریمہ کی تشریح پیش کریں گے اور یہ عرض کریں گے کہ اس آیۂ کریمہ سے اقامتِ دین کا ثبوت ملتا ہے۔

تحریکِ طلوعِ اسلام کے نزدیک حجت صرف قرآن ہے (6:3، 42:10، 5:44) اور ہمیں یقین ہے کہ جناب افتخار صاحب کی بھی یہی پوزیشن ہوگی اگر بر سبیل تنزل یہ بات گمان کر لی جائے کہ جناب افتخار صاحب کا یہ موقف نہیں ہے تو بھی اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ انہوں نے تو یہ بات خود واضح کر دی ہے کہ وہ یہ کچھ قرآن کے متعلق دعویٰ کر رہے ہیں کہ قرآن میں اسلامی سٹیٹ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ انسانیت کے شروع دور سے لے کر حضور ﷺ کے عہد تک جتنی بھی کتب سماویہ نازل ہوئی ہیں ان سب کا مقصد لوگوں کے درمیان فیصلہ کرانا تھا۔ انبیائے کرام علیہم السلام ان کتابوں کے ساتھ فیصلے کرتے تھے وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ (2:213) اور ان سب (انبیاء) کے ساتھ کتاب نازل کی تا کہ وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں۔ ظاہر ہے کہ جب کسی مملکت میں کتاب اللہ کے احکامات نافذ ہوں، تو وہ صرف اسلامی مملکت ہی ہو سکتی ہے۔ پھر قرآنِ کریم میں ارشادِ عالی ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ (16:36) اللہ تعالیٰ نے ہر ہر قوم کے اندر رسول علیہ السلام بھیجے۔ ان تمام رسولوں علیہم السلام نے یہ ایک ہی مشترک تعلیم دی کہ محکومیت صرف اللہ کی اختیار کرو، اور جتنی سرکش قوتیں ہوں، ان سب کی اطاعت سے اجتناب کرو۔ قرآن کریم نے آیت (4:60) میں طاغوت کو خود Define کر دیا اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ (4:60) ان کا ارادہ یہ ہے کہ یہ طاغوت سے فیصلہ کرائیں۔ انسانی وضع کردہ قوانین پر مشتمل ہر اتھارٹی طاغوت ہوتی ہے۔

نہ تو قرآنِ کریم انسانوں کو قانون سازی کا اختیار دیتا ہے اور نہ ہی اپنے علاوہ کسی قانون کو Recognize کرتا ہے۔ وہ فرماتا ہے وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝ (7:181)، ہمارے پیدا کردہ وہ لوگ بھی ہیں جو الحق کے ساتھ رہنمائی کرتے ہیں اور الحق کے ساتھ فیصلے کرتے ہیں۔ الحق قرآنِ کریم کا ہی نام ہے اور بار بار قرآن نے اپنے لئے الحق کا لفظ استعمال کیا ہے (2:137، 3:60، 10:76، 10:93) اور دیگر مقامات۔ اور اس کے ساتھ فیصلہ کرنے کو الحق کے ساتھ فیصلہ کرنا کہتے ہیں۔ قرآن انسانوں کو قانون سازی کی اجازت نہیں دیتا، اور ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (5:44، 5:45، 5:37) جو لوگ اللہ کے نازل کردہ (قانون) کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر، ظالم اور فاسق ہیں۔ ان آیات کے ذیل میں تفہیم القرآن میں تحریر ہے ''یہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے حق میں جو خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں تین حکم ثابت کئے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کافر ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ ظالم ہیں۔ تیسرے یہ کہ وہ فاسق ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو انسان خدا کے حکم کو اور اس کے

نازل کردہ قانون کو چھوڑ کر اپنے یا دوسرے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین پر فیصلہ کرتا ہے وہ دراصل تین بڑے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے اوّلاً اس کا یہ فعل حکم خداوندی کے انکار کا ہم معنی ہے اور یہ کفر ہے۔ ثانیاً اس کا یہ فعل عدل وانصاف کے خلاف ہے کیونکہ ٹھیک ٹھیک عدل کے مطابق جو حکم ہوسکتا ہے وہ تو خدا نے دے دیا تھا۔ اس لئے جب خدا کے حکم سے ہٹ کر اس نے فیصلہ دیا تو ظلم کیا تیسرے یہ کہ بندہ ہونے کے باوجود جب اس نے اپنے مالک کے قانون سے منحرف ہو کر اپنا یا کسی دوسرے کا قانون نافذ کیا، تو درحقیقت بندگی، اطاعت کے دائرے سے باہر قدم نکالا اور یہی فسق ہے۔ یہ کفر اور ظلم اور فسق اپنی نوعیت کے اعتبار سے لازماً انحراف از حکم خداوندی کی عین حقیقت میں داخل ہوا۔''

ہمیں اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ قوانین کو لپیٹ کر انسانوں کے وضع کردہ قوانین کو بہتر سمجھتے ہیں جو جمہوری ریاستوں میں رائج ہوتے ہیں۔ جمہوریت کی تعریف تو بیشک یہ کی جاتی ہے کہ اس میں اکثریت کا وضع کردہ قانون رائج ہوتا ہے لیکن حقیقت میں عملی طور پر بہت ہی قلیل لوگوں کا ایک ٹولہ اکثریت پر حکومت کرتا ہے اور قانون سازی کرتا ہے۔ اکثریت اپنا ووٹ دے کر 5 سال کے لئے اپنے ہاتھ کٹوا لیتی ہے اور یہ اقلیت کا ٹولہ جو جی چاہتا ہے کرتا پھرتا ہے۔ یہ اقلیت بھی صرف ان لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے جو سرمایہ دار ہوتے ہیں کیونکہ سرمایہ کے بغیر کوئی شخص الیکشن نہیں لڑسکتا اور یہ سرمایہ دار وہ ہوتے ہیں جنہوں نے کسی نہ کسی طریقہ سے دولت سمیٹ لی ہوتی ہے۔ یہ صرف وہ قانون بناتے ہیں جو ان کے اپنے مفاد میں ہوتے ہیں آپ عملی طور پر ملاحظہ فرمالیں کہ پاکستان کے 68 سال میں کتنے قوانین غریبوں کے لئے بنے اور کتنے امیروں نے اپنے مفاد کے لئے بنائے۔ 68 سال سے جاگیرداری اور زمین کی ملکیت کا مسئلہ بھنور میں پڑی ہوئی لکڑی کی طرح گھوم رہا ہے اور اسمبلی کے ممبران زیادہ تر خود جاگیردار ہیں، اس لئے یہ قانون نہیں بنانے دیتے۔ قرآنِ کریم کی رو سے چونکہ ملکیت زمین ہی جائز نہیں ہے اس لئے یہ قانون بنانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوسکتی۔ جمہورت میں چونکہ ووٹرز کی غالب تر تعداد ناخواندہ لوگوں کی ہوتی ہے۔ اس لئے جمہوریت میں اقتدار صرف ان لوگوں کو ملتا ہے جن کو ناخواندہ لوگوں نے چُنا ہوتا ہے اور پھر قوت کا سرچشمہ یہی بے بس عوام اور جہالت ہوتی ہے اس سے بھی زیادہ غضب یہ ہوتا ہے کہ چونکہ جمہوریت میں مستقل اقدار نہیں ہوتیں اس لئے عوام کے یہ نمائندے، جو اور جس قسم کا قانون چاہتے ہیں بنالیتے ہیں۔ ملوکیت میں ایک شخص کا حکم چلتا ہے جس میں اس شخص کا مفاد مضمر ہوتا ہے۔ جمہوریت میں ایک بادشاہ کی حکومت کو 3 یا 4 سو آمروں میں تقسیم کردیا جاتا ہے۔ یہ وہ قوانین ہیں جو قرآن کے مقابلہ میں لائے جاتے ہیں۔

اب اس تمہید کے بعد ہم آپ کے سامنے اسلامی مملکت کے قیام کے قرآنی دلائل پیش کرتے ہیں تاکہ یہ بات واضح ہوجائے کہ قرآنِ کریم اسلامی مملکت کے قیام کی فرضیت اور اس کے وجود کو کیسے واضح طور پر بیان کرتا ہے۔

(1) قرآنِ کریم کا ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ (16:90) اللہ حکم فرماتا ہے کہ (تم) عدل وانصاف سے کام کرو۔ عدل وانصاف سے کام لینے کا حکم قرآنِ کریم میں بار بار آتا ہے جب اللہ تعالیٰ عدل وانصاف سے کام

لینے کا حکم دیتا ہے تو اس پر یہ بات بھی لازم ہے کہ وہ عدل وانصاف پر مبنی قوانین بھی انسانیت کو عطا فرمائے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ عدل کا حکم فرمائے اور عدل پر مبنی قانون نہ دے۔ اس آیت کا واضح مفہوم یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کے مطابق عدل کرو اور جس ریاست میں قانون خداوندی کے مطابق عدل ہوگا وہی اسلامی ریاست ہے۔

(2) حضور ﷺ کو حکم ہوتا ہے فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (5:48) (اے رسولؐ) اللہ نے جو نازل کیا ہے اس کے مطابق فیصلے کرو۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے قانون کے مطابق فیصلے اسلامی مملکت میں ہو سکتے ہیں۔ غیر اسلامی مملکت میں اللہ کے احکامات جاری نہیں ہو سکتے۔

(3) اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں یہ وعدہ فرمایا ہے کہ جو قوم ایمان لائے گی اور اعمال صالحہ سرانجام دے گی اللہ تعالیٰ انہیں غلبہ دے گا۔ ایمان اور اعمال صالحہ کا لازمی نتیجہ اسلامی مملکت کا قیام ہے۔

(4) اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ (42:15)، کہہ دو کہ اللہ نے جو ضابطہ دیا ہے میں اس پر ایمان لایا اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس ضابطہ کے مطابق عدل کروں۔ کتاب کے ساتھ عدل کرنے کے معنی یہی ہیں کہ اس کتاب کے مطابق عدل کرو۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے عدل کی تعریف خود ہی کر دی ہے اور عدالت پر مبنی ان قوانین کا اجراء اسلامی ریاست میں ہی ہو سکتا ہے۔

(5) قرآنِ کریم میں سورۂ شوریٰ میں چند انبیاء کرام علیہم السلام کے اسماء گرامی دینے کے بعد ارشاد عالی ہوتا ہے کہ تمہیں بھی یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم دین کا نظام جاری کرو اور اس میں فرقہ بندی نہ کرو۔ اقامت دین تمام انبیاء کرام پر واجب تھی (42:13) اور ختم نبوت کے بعد دین کا قائم کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے (35:32)۔ اقامتِ دین سے قرآن کا مفہوم کیا ہے۔ اس کی وضاحت مولانا مودودی مرحوم نے اس آیت کے ذیل میں خوب اچھی طرح کی ہے، اس کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں ''قرآنِ مجید کو جو شخص بھی آنکھیں کھول کر پڑھے گا اُسے یہ بات صاف نظر آنے لگے گی کہ یہ کتاب اپنے ماننے والوں کو کفر اور کفار کی رعیت فرض کر کے مغلوبانہ حیثیت میں زندگی بسر کرنے کا پروگرام نہیں دے رہی ہے بلکہ یہ اعلانیہ اپنی حکومت قائم کرنا چاہتی ہے۔ اپنے پیروؤں سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ وہ دین حق کو فکری، اخلاقی، تہذیبی اور قانونی وسیاسی حیثیت سے غالب کرنے کے لئے جان لڑا دیں اور ان کی انسانی زندگی کی اصلاح کا وہ پروگرام دیتی ہے جس کے بہت بڑے حصہ پر صرف اسی صورت میں عمل کیا جا سکتا ہے جب حکومت کا اقتدار اہلِ ایمان کے ہاتھ میں ہو۔ یہ کتاب اپنے نازل کئے جانے کا مقصد یہ بیان کرتی ہے اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ (4:105) اے نبی ﷺ ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تم پر نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کر سکو اس روشنی میں جو اللہ نے تمہیں دکھائی ہے۔ اس کتاب میں زکوٰۃ کی تحصیل وتقسیم کے جو احکامات دیئے گئے ہیں وہ صریحاً اپنے پیچھے ایک ایسی حکومت کا تصور رکھتے ہیں جو ایک مقرر قاعدہ کے مطابق زکوٰۃ کو وصول کرنے اور مستحقین تک پہنچانے کا ذمہ لے

(9:60)۔اس کتاب میں سود کو بند کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اور سود خواری جاری رکھنے والوں کے خلاف جو اعلانِ جنگ کیا گیا ہے (2:275) وہ اسی صورت میں روبعمل ہوسکتا ہے جب ملک کا سیاسی اور معاشی نظام پوری طرح اہل ایمان کے ہاتھ میں ہو۔اس کتاب میں قاتل سے قصاص لینے کا حکم ہے (2:178)، چوری پر ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے (5:38) زنا اور قذف پر حد جاری کرنے کا حکم ہے (4:2)، اس مفروضہ پر نہیں دیا گیا ہے کہ ان احکام کے ماننے والوں کو کفار کی پولیس اور عدالتوں کے ماتحت رہنا ہوگا اس کتاب میں کفار سے قتال کا حکم (2:190) یہ سمجھتے ہوئے نہیں دیا گیا ہے کہ اس دین کے پیرو کفر کی حکومت میں فوج بھرتی کر کے، اس حکم کی تعمیل کریں گے۔اس کتاب میں اہلِ کتاب سے جزیہ کا حکم (9:29) اس مفروضے پر نہیں دیا گیا کہ مسلمان کافروں کی رعایا ہوتے ہوئے ان سے جزیہ وصول کریں گے اور ان کی حفاظت کا ذمہ لیں گے۔''

(6) اگر قرآنی نظام قائم کرنا فرض نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ نے اس درجہ مخالفت برداشت کر کے یہ نظام کیوں قائم فرمایا۔ کفار و مشرکین مکہ نے حضور ﷺ کو پرستش کی رسومات کو ادا کرنے سے کبھی منع نہیں کیا تھا۔رسول اللہ ﷺ کا پرستش کی رسوم میں کسی ترمیم و تبدیلی سے بھی ان کا کوئی حرج نہیں تھا۔حضور ﷺ نے ان مخالفین کے ساتھ 80 سے زیادہ دفاعی لڑائیاں لڑیں لیکن حضور ﷺ اپنے مطمح نگاہ پر جم کر کھڑے رہے اور ریاست قائم کر کے ہی دم لیا۔اگر اسلامی ریاست کا قیام حضور ﷺ پر فرض نہیں تھا تو کیا حضور ﷺ نے اپنے فرائض منصبی سے تجاوز کیا تھا۔ہرگز نہیں ریاست کا قائم کرنا حضور پر فرض تھا۔

(7) قرآنِ کریم کے نزدیک غیر اسلامی نظام میں زندگی بسر کرنا جرم ہے (6:23) اور جو غیر اسلامی نظام میں زندگی بسر کرتا ہے وہ قرآن کے نزدیک جہنمی ہے (4:97) جب مدینہ میں اسلامی مملکت قائم ہوئی تو مکہ کے مسلمانوں کو حکم ہوا کہ وہ فوراً مدینہ ہجرت کر جائیں کیونکہ مکہ میں زندگی بسر کرنا جرم تھا۔

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنی مشہور کتاب ''تزکیہ نفس'' میں تحریر فرمایا ہے ''مسلمان جہاں کہیں بھی اس پوزیشن میں ہوں کہ وہ خدا کا قانون نافذ کر سکیں تو ان کے اوپر یہ واجب ہے کہ وہ خدا ہی کے قانون کو نافذ کریں اور اسی کی اطاعت کریں۔جو نظام خدا اور رسول ﷺ کے قانون پر مبنی ہو، اور خدا اور رسول ﷺ کے احکام ہی کے نفاذ کے لیے وجود میں آیا ہو، اسلام میں اس کا درجہ بہت اونچا ہے۔اس نظام کے چلانے والے اولوالامر درحقیقت رسول ﷺ کے خلفاء کی حیثیت رکھتے ہیں، اس وجہ سے ان کی اطاعت واجب ہے۔اوپر ہم نے سورہ نساء والی جو آیت نقل کی ہے (4:59) اس میں اولوالامر سے مراد ایسے ہی اولوالامر مراد ہیں۔ایسے اولوالامر کی اطاعت سے اگر کوئی شخص انحراف اختیار کرے تو وہ گویا خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت سے انحراف اختیار کرتا ہے۔ایک حدیث ملاحظہ ہو۔

عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن اطاع الامیر فقد اطاعنی ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن عصی الامام فقد عصانی (سنن ابن ماجہ، کتاب الجہاد، باب:39)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی

اور جس نے صاحب امر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے صاحبِ امر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

اس حدیث سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ خدا کی اطاعت کے لئے اور رسول ﷺ کی اطاعت کے لیے اسلامی نظام کے صاحبِ امر کی اطاعت ضروری ہے۔ جس نے رسول ﷺ کی اطاعت نہیں کی اس نے خدا کی اطاعت نہیں کی اور جس نے صاحب امر کی اطاعت نہیں کی وہ رسول ﷺ کی اطاعت سے محروم رہا۔

اس آیۂ کریمہ اور مولانا اصلاحی کی کتاب کے اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی نظام کی اطاعت سے ہی اللہ کی اطاعت ہوتی ہے اور قرآنِ کریم نے اپنا سیاسی نظام نہایت مختصر الفاظ میں اس آیت (4:59) میں بیان کر دیا ہے۔

یہاں تک ہم نے دو باتیں عرض کی ہیں کہ قرآنِ کریم نے انسانوں کو قانون سازی کا حق نہیں دیا اس لئے اسلامی مملکت کا کانسٹی ٹیوشن صرف قرآن ہوتا ہے اور اسلامی مملکت کا قائم کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

خلافت راشدہ کے بعد سے مسلمان ملوکیت کے تحت زندگی بسر کر رہے تھے۔ سابقہ دو تین صدیوں سے مسلم ممالک پر مغربی قوتوں کا غلبہ رہا لیکن اس تمام طویل عرصہ کے دوران کہیں سے کسی وقت بھی اقامتِ دین کی آواز بلند نہیں ہوئی۔ ہمارا موجودہ دور ایسا ہے جس میں یہ آوازیں بلند ہو رہی ہیں لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ جہاں جہاں سے بھی اقامتِ دین کی آواز بلند ہو رہی ہے وہ لوگ قرآنِ کریم کے تصورِ مملکت سے بالکل ناواقف اور نا آشنا ہیں۔ صرف حالات کے تقاضوں یا سیاسی مصلحتوں کے پیشِ نظر انہوں نے یہ نعرہ بلند کیا ہے ورنہ وہ اپنے موقف کی حمایت میں قرآنِ کریم کا کوئی حوالہ نہیں دیتے۔ قرآنِ کریم نے اسلامی مملکت کے جو واضح خصائص اور امتیازی خطوط بیان کئے ہیں وہ ان حضرات کے سامنے نہیں ہیں۔ ہم قرآنِ کریم کے دیے ہوئے چند خدوخال پیشِ خدمت عالی کرتے ہیں۔

(1) اسلامی مملکت کی اطاعت عبادتِ خداوندی ہوتی ہے۔ اس مملکت میں پرستش کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی کیونکہ پرستش (Worship) کرنے سے اطاعتِ خداوندی نہیں ہوتی۔

(2) یہ مملکت ایمان و اعمال صالحہ کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے۔ اس کے حصول میں دہشت گردی یا اسلحہ کے استعمال، کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس قسم کی دہشت گردی اسلامی مملکت سے تنفر کا باعث ہوتی ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں انسانیت سے جو وعدے کئے ہیں اسلامی مملکت اللہ تعالیٰ کے وہ تمام وعدے پورے کرتی ہے۔ یہ مملکت چونکہ اللہ کے نام پر اپنی اطاعت کراتی ہے اس لئے اس کا فریضہ ہے کہ یہ خدائی وعدوں کو پورا کرے۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ اس پر ہر متنفس کو رزق پہنچانا فرض ہے (11:6، 6:151) یہ مملکت اللہ کا یہ وعدہ پورا کرتی ہے اور ہر متنفس کو رزق پہنچاتی ہے۔ حضور ﷺ کا فرمانِ عالی ہے کہ اگر کسی بستی میں ایک شخص بھی رات کو بھوکا سو گیا تو اس بستی کی حکومت کی اطاعت مرفوع ہو جاتی ہے۔ اس مملکت میں اگر کسی مزدور کو دن میں کوئی

مزدوری نہیں ملی اور شام کو وہ اپنے گھر خالی ہاتھ واپس آ گیا اور اس کے بچوں کو رات کا کھانا میسر نہیں ہوا۔ تو اس کے بچوں کی بھوک کا ذمہ دار صرف وہ مزدور نہیں ہے بلکہ اس کے بچوں کی بھوک کی ذمہ دار وہ حکومت ہوتی ہے جس کی حدود میں وہ زندگی بسر کر رہا تھا اور جس کی وہ اطاعت کر رہا تھا۔ اگر وہ اسلامی مملکت ہے تو اس سے اس مملکت کی اطاعت مرفوع ہوگئی۔ حضرت عمرؓ نے تو اس شرط کو انسانوں تک بھی محدود نہیں کیا۔ انہوں نے تو فرمایا کہ خواہ وہ ایک کتا ہی کیوں نہ ہو۔ حکومت اس کی کفالت کی ذمہ دار ہے۔ کیا دوررس یہ Vision تھا اُن حضراتِ عالی مقام کا۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ مسلمان غالب رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر غالب نہیں آنے دے گا (4:141)۔ یہ مملکت اللہ تعالیٰ کے بے شمار وعدوں کو پورا کرے گی۔ اسی مملکت کے ذریعے دعائیں قبول ہوتی ہیں (27:62)۔

(4) قرآن کی رُو سے فرقہ بندی حرام ہے اور شرک ہے (30:32) اس مملکت میں فرقہ بندی ہو ہی نہیں سکتی۔ فرقہ بندی مذہب میں ہوتی ہے اور مذہب میں فرقہ بندی ہونا لازمی وضروری ہے۔ دین میں فرقہ بندی نہیں ہوتی۔ اس میں مرکز کی طرف سے احکامات جاری ہوتے ہیں اور ہر شہری کا فرض ہوتا ہے کہ وہ ان احکامات کی اطاعت کرے۔ اس لئے اس میں فرقہ بن ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح اسلامی مملکت میں سیاسی پارٹیاں بھی نہیں ہوتیں۔ جو ایک دوسرے کی تخریب کرتی ہیں۔ ساری اُمت مسلمہ، غیر مسلموں کے مقابلہ میں ایک جماعت ہوتی ہے۔

(5) اس مملکت میں پرسنل اور پبلک لاز کی کوئی تفریق نہیں ہوتی۔ نہ شرعی عدالتیں ہوتی ہیں نہ اسلامی شریعتی کونسل۔ اس مملکت کے سارے ادارے اسلامی ہوتے ہیں۔ اسلامی مملکت کی تمام عدالتیں سپریم کورٹ، تھانے، تحصیلیں اور ہر وہ ادارہ جہاں جہاں سے اسلامی قانون نافذ ہوتا ہے مساجد ہوتی ہے۔ جہاں اللہ کے قانون کی اطاعت کرائی جاتی ہے۔ قرآنِ کریم کے ہر حکم کی اطاعت، عبادتِ خداوندی ہوتی ہے اور ہر عبادت حکم کا درجہ رکھتی ہے۔

(6) قرآنِ کریم کی رُو سے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے آپ میں صفاتِ خداوندی کو اجاگر، روشن کرے۔ صفاتِ خداوندی کو زیادہ سے زیادہ Develop کرے اس طرح انسان کی ساری صلاحتیں بیدار ہوتی ہیں اور یہی چیز تزکیہ نفس کہلاتی ہے، اور یہی قربِ خداوندی ہے۔ اسی طرح اسلامی مملکت صفاتِ خداوندی کی مظہر ہوتی ہے۔ اس مملکت میں خدائی صفات کا مظاہرہ ہر وقت ہوتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ عدل، رزاقیت وجباریت، اور صفت السلام کا ہر وقت مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ مملکت خبیر، علیم، سمیع بھی ہوتی ہے۔ یعنی اپنے شہریوں کی ضروریات اور ان کے تقاضوں سے غافل نہیں ہوتی۔ اس کی صفت السلام کی وجہ سے ساری مملکت میں سلامتی ہی سلامتی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی صفت المومن بھی ہے جس کی وجہ سے ہر مسلمان امن پسند، امن کا محافظ اور Peaceful ہوگا اور ساری مملکت میں امن ہی امن ہوگا۔ آج کل کے تشدد اور دہشت

گردی کو روکنے کا واحد ذریعہ اسلامی مملکت کا قیام ہے۔ اس کے قیام سے ہر قسم کی دہشت گردی اور فرقہ بندی ختم ہوسکتی ہے۔ اس مملکت کی اطاعت سے چونکہ صفاتِ خداوندی کی اطاعت ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی اطاعت سے کوئی خارجی اتھارٹی کی اطاعت مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس سے انسانی نفس کا ایک تقاضہ پورا ہوتا ہے اور اس کی تسکین ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرائض میں تزکیہ بھی شامل تھا وَيُزَكِّيهِمْ ط (2:129) اس طرح کی اسلامی مملکت میں ہر شہری کا تزکیہ نفس ازخود ہوتا جاتا ہے، یعنی ہر شہری کی خوابیدہ و Latent صلاحیتیں بیدار ہوتی چلی جاتی ہیں۔ آپ خود غور فرمائیں کہ ہمارے ملک میں غالب اکثریت ان بچوں کی ہوتی ہے جن کی ایک بھی صلاحیت بیدار نہیں ہونے پاتی۔ ہمارے ہاں انسانی صلاحیتوں کو Develop کرنے کا تصور ہی نہیں ہے اور موجودہ سٹیٹ صلاحیتیں کیا بیدار کرے گی، یہ تو رزق اور تعلیم کی ذمہ داری بھی نہیں لیتی۔

(7) قرآنِ کریم نے اس مملکت کے متعلق ارشاد فرمایا يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٦﴾ (5:16) قرآنِ کریم کے ذریعے اللہ تعالیٰ ہر اس قوم کو جو اپنی زندگی کو قوانین خداوندی کے مطابق گزارے اسلامتی کے راستے دکھاتا ہے اور اُنہیں ہر قسم کی تاریکیوں سے نکال کر زندگی کی روشنی میں لے آتا ہے اور اپنے قانون کے مطابق سیدھے راستہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ اسی مملکت کے لئے دوسری جگہ ارشاد فرمایا: وَاللَّهُ يَدْعُوا إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ ط وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٢٥﴾ (10:25) اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جو چاہتا ہے اسے سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے۔

(8) جو دہشت گرد جہاد کے نام پر لوگوں کو ذبح کرتے پھر رہے ہیں۔ اسلامی نظام کے قائم ہونے سے وہ بالکل ختم ہوسکتے ہیں۔ یہ لوگ جس چیز کو جہاد کہتے ہیں قرآنِ کریم نے اس کے لئے قتال کا لفظ استعمال کیا ہے۔ قرآنِ کریم نے قتال کی اجازت اس وقت دی ہے جب ان پر ظلم کیا گیا ہو اور اُنہیں اقامتِ دین سے روک دیا گیا ہو اور دین کے قیام میں رکاوٹ بن رہے ہوں (22:39، 2:190) اور یہ قتال صرف اسلامی مملکت کی اجازت کے بعد اس کی نگرانی میں ہوتا ہے۔ اس میں انفرادی طور پر دہشت گردی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس طرح اسلامی مملکت کے قیام سے دہشت گردی کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔

اس مملکت کی خصوصیات اس طرح Sum up کی جاسکتی ہیں۔

(1) اس مملکت میں اقتدارِ اعلیٰ صرف اللہ کو حاصل ہوتا ہے اور اس مملکت کی اطاعت سے عبادتِ خداوندی ہوتی ہے۔ عبادتِ خداوندی کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ یا ذریعہ نہیں ہوسکتا۔

(2) تمام افراد مملکت خدا کی محکومیت میں یکساں ہوتے ہیں۔ اس اطاعت میں مملکت کا سربراہ بھی شامل ہوتا ہے (7:203، 6:30)۔ پوری امت مملکت چلانے کی ذمہ دار ہوتی ہے (24:55) اور تمام امور مشورہ سے طے پاتے ہیں۔

(3) اس نظام کا کانسٹی ٹیوشن قرآن ہوتا ہے قرآنِ کریم نے اس مملکت کو صرف اصول عطا کئے ہیں۔ قرآنِ کریم نے

اس مملکت کی جزئیات عمداً بیان نہیں فرمائیں کیونکہ ان جزئیات کو زمانے کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ بدلنا ضروری ہوتا ہے۔ قرآن صرف حدود مقرر کرتا ہے۔ اسلامی مملکت جزئیات خود مقرر کرتی ہے اور اس طرح ہر زمانے کے تقاضوں کو پورا کرتی چلی جاتی ہے۔ اسی کو اجتہاد کہتے ہیں۔ مذہب میں اجتہاد انفرادی ہوتا ہے۔ دین میں اسلامی مملکت خود اجتہاد کرتی ہے۔ اس مملکت کا مزاج ترقی پسندانہ Progressive، رفاعی Forward Looking ہوتا ہے۔ یہ مملکت ایک ہزار سال پیشتر کے وضع کردہ کسی فقہ کی پابند نہیں ہوتی۔ اس کی اپنی مقرر کردہ جزئیات اس کی فقہ ہوتی ہیں اور اُن کی اطاعت عبادت خداوندی ہوتی ہے۔

ہماری جناب افتخار صاحب سے درخواست ہے کہ وہ ہماری یہ چند گزارشادت شرح صدر سے ملاحظہ فرمائیں اور اگر اس بات سے Convince ہیں کہ اقامتِ دین کا حکم قرآن میں موجود ہے تو اس کی اقامت کی کوشش کریں تاکہ آج اس قوم کے مسائل حل ہوں، اور ساری انسانیت اس نظام سے فائدہ اٹھائے۔ یہ بات یاد رکھیں کہ اگر اسلامی نظام ایک مقام پر ہی قائم ہوجائے، تو دوسرے انسانی وضع کردہ نظام برف کی طرح پگھلنے لگیں گے اور لوگ اسلامی نظام میں فوج در فوج داخل ہوتے ہیں یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۙ (110:2)۔

یہ مضمون یہاں ختم ہوگیا ہے۔ ہم نے مضمون کے شروع میں آیۂ کریمہ (22:41) کی تفسیر پیش کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ مضمون کے دورانِ تحریر ہمیں وہ یاد نہیں رہا۔ جب اس مضمون کو Fair کیا تو وہ وعدہ یاد آیا۔ اس لئے آیۂ کریمہ، اس کا ترجمہ اور تفسیر پیش خدمت عالی کی جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَنَہَوۡا عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ (22:41) ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں اقتدار دیں تو وہ صلوٰۃ قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، اچھے کاموں کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے منع کریں۔ اس آیۂ کریمہ میں آپ ملاحظہ فرمائیں کہ اقامتِ صلوٰۃ (نماز پڑھنے کے لیے) اور زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے تمکن فی الارض، یعنی اقتدار شرط قرار دیا گیا ہے ہم اب اس آیت کی تفسیر جو مشہور تفسیر جلالین میں تحریر ہے وہ پیش کرتے ہیں وہ ہمارے اس موقف کی تائید کرتی ہے کہ نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کے لیے اسلامی حکومت کا قیام لابدی و لازمی ہے۔ بغیر اسلامی حکومت کے قیام کے نہ نماز پڑھی جاسکتی ہے اور نہ ہی کوئی زکوٰۃ ادا کرسکتا ہے۔ مغلوب و محکوم قوم نماز ادا نہیں کرسکتی۔ جلالین میں مرقوم ہے ان مکنا میں جو شرط تھا اقاموا الصلوٰۃ اور اس کے بعد کا جملہ اس شرط کا جواب ہے نیز شرط و جواب الشرط دونوں صلہ ہیں الذین وصول کے۔ اس سے قبل ایک مبتداء محذوف ہے یعنی ہم۔ اس کے بعد تحریر ہے ''اسی کے ساتھ ان کی تعریف کی گئی ہے کہ اگر ان اہل حق اور سچے مسلمانوں کو حکومت دے دی جائے تو یہ مسجدیں آباد و پُر رونق ہوجائیں اور یہ اپنے مال کی زکوٰۃ بھی ادا کریں'' جلالین نے ہمارے موقف کی تائید کی ہے کہ صلوٰۃ کی اور زکوٰۃ کی ادائیگی صرف اسلامی حکومت میں ہوسکتی ہے۔

عارف محمود کسانہ، سویڈن
arifkisana@gmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بچوں کا صفحہ

بچوں کے لیے اسلامی اور معلوماتی کہانی

اللہ تعالیٰ کے بارے قرآن مجید کا بیان

ایشال اپنے امی، ابو اور چچا زاد بہن بھائیوں کے ساتھ دریا کے کنارے پکنک منانے آئی ہوئی تھی۔ سب بچے بہت خوش تھے۔ انہوں نے وہاں خوب مزا کیا اور کھیل کود بھی کی۔ دریا میں کشتی کی سیر سے تو بچے اور بھی لطف اندوز ہوئے۔ موسم بھی بہت خوشگوار تھا اس لیے بعد میں انہوں نے دریا کے کنارے بنے ہوئے پارک میں بیٹھ کر چاٹ، دہی بھلے، سموسے اور مزے کی دوسری چیزیں کھائیں۔ بچے وہاں اور رُکنا چاہتے تھے مگر شام ہونے سے پہلے گھر پہنچنا تھا اس لیے واپسی کا راستہ اختیار کرنا پڑا۔ گھر آ کر بچے اپنے کمرے میں بیٹھ گئے اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ ایشال دوسرے بچوں کو وہ باتیں بتانے لگی جو اُس کی امی نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں اُسے بتائی تھیں۔ بچے بہت دلچسپی سے سُن رہے تھے۔ ایشال نے یہ بھی بتایا کہ اُس کی امی نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں اُس کے ذہن میں آنے والے بہت سے سوالوں کے جوابات بھی دیے تھے جس سے وہ بہت مطمئن ہوگئی تھی۔ بچے ابھی یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ ایشال کی امی بھی کمرے میں آ گئیں اور بچوں سے پوچھنے لگیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ ایشال نے بتایا کہ امی میں انہیں وہ باتیں بتا رہی ہوں جو آپ نے مجھے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بتائی تھیں۔ امی نے کہا یہ تو بہت اچھا ہے۔ جو بھی اچھی باتیں معلوم ہوں وہ ضرور دوسروں کو بتانی چاہیے تاکہ انہیں بھی معلوم ہوں۔ بچے ایشال کی امی سے کہنے لگے آنٹی ہمارے ذہن میں کچھ اور سوال آ گئے ہیں آپ ہمیں بھی ہمارے سوالوں کے جواب دیں۔ بچوں میں سے عبداللہ نے کہا۔ ایشال کی امی کہنے لگیں ٹھیک ہے آؤ ہم اِس بارے میں باتیں کرتے ہیں۔

عبداللہ: اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے کے بارے میں قرآن حکیم کا کیا حکم ہے۔

بیٹا قرآنِ حکیم ہمیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے۔ ہم اللہ کی ذات کی حقیقت کے بارے میں نہیں جان سکتے اور نہ ہی یہ ہم سے مطالبہ ہے۔ اللہ وہ بلند ہستی ہے جو انسانی نگاہوں سے پوشیدہ ہے اور جس کے سامنے انسانی عقل محوِ حیرت رہ جاتی ہے۔ انسان تو کائنات کا تصور نہیں کرسکتا تو پھر اُسے پیدا کرنے والے کا تصور کیسے کرے گا۔ اُس کا اقتدار پوری کائنات پر ہے اِسی لیے اُسی کی حاکمیت اور محکومی اختیار کی جائے۔ قرآن حکیم بھی ہمیں اللہ کے وجود کا پتہ دیتا ہے کیونکہ قرآن جیسی کتاب کوئی انسان نہیں لکھ سکتا۔ ہمارا اللہ سے تعلق بھی قرآن مجید

کے ذریعے ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے مراد بھی یہی ہے کہ اُس کے قوانین جو قرآن مجید میں ہیں اُن پر عمل کیا جائے۔ صرف یہ مان لینا کافی نہیں کہ اس کائنات کو پیدا کرنے والا خدا ہے بلکہ خدا پر ایمان رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں اللہ کے حکم اور قانون پر عمل کریں۔

عبداللہ: اللہ پر ایمان لانے کا ہمیں اپنی عملی زندگی میں کوئی فائدہ بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اُس کی حاکمیت قبول کرنے کا مقصد یہ نہیں کہ اللہ ہم سے اپنا حکم منوانا چاہتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ ہوتا ہے یا اللہ کو ہماری اطاعت کی ضرورت ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ اِس میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔ ہم اگر اللہ کا حکم نہ بھی مانیں تو اس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ وہ تو پوری کائنات کا رب ہے اور ہر چیز اس کی اطاعت کرتی ہے۔ کائنات کی ہر چیز اُس کے حکم کی پابند ہے۔ سورج، چاند، زمین اور ستارے اُس کے متعین کئے ہوئے راستہ پر گامزن ہیں اور ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں کرتے۔ ہماری حیثیت تو کائنات میں کچھ بھی نہیں۔ اللہ پر ایمان لانے یعنی توحید سے خود ہمیں بہت فائدہ ہوتا ہے۔ اللہ پر ایمان سے انسانوں کو دوسرے انسانوں سے مکمل آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔ کوئی شخص بھی کسی دوسرے پر اپنا تسلط نہیں جما سکتا۔ توحید سے انسانوں کو عزتِ نفس اور وقار ملتا ہے اور دوسروں کی بالادستی اور تسلط سے ہمیشہ کے لیے نجات مل گئی ہے۔ صرف ایک ہی طاقت ہے جس کی سب نے اطاعت کرنی ہے۔ اب مذہب کے نام پر کوئی انسان دوسروں کو اپنا محکوم نہیں بنا سکتا۔

ایشال: امی قرآن مجید میں اللہ کے بارے میں کیا آیا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ کی بہت سی صفات بیان ہوئی ہیں انہیں اسماء الحسنیٰ کہا جاتا ہے۔ اِن ناموں میں اللہ تعالیٰ کی صفتوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ اِن کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان اللہ کے بارے میں جانتے ہوئے وہی خوبیاں اپنے آپ میں پیدا کرتا جائے تاکہ انسانی ذات کی نشوونما ہوتی جائے اور اس طرح وہ اللہ کے قریب ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں کئی جگہ پر اللہ کے ہاتھ کا ذکر ہے جس کا مطلب ہماری طرح کے ہاتھ اور آنکھ نہیں بلکہ یہ سمجھانے کے لیے ہے کہ اللہ کے پاس ہر طرح کی قدرت ہے۔ اِسی طرح اللہ کے عرش اور کرسی کا مطلب بھی اللہ کی حاکمیت اور کائنات پر مکمل اقتدار ہے۔

عبداللہ: اللہ تعالیٰ کی مرضی سے کیا مراد ہے۔ اللہ جو چاہے وہی ہوتا ہے تو پھر ہم کوشش کس طرح کر سکتے ہیں۔

یہ بہت ہی اہم سوال ہے اور اس کے جواب میں یہ سمجھو کہ اِس کے تین مرحلے ہیں۔ پہلا مرحلہ وہ تھا جب اللہ تعالیٰ اِس کائنات کی تخلیق کر رہا تھا اُس وقت اللہ نے اپنی مرضی سے کائنات کو بنایا اور اس کے اصول بنائے جس میں کسی اور کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ اُس نے جیسے چاہا کائنات اور اُس کی اشیاء کو بنایا۔ جب کائنات اور اُس کی

اشیاء کی تخلیق ہوگئی تو پھر دوسرا مرحلہ آیا جس میں وہ تمام چیزیں اور اشیاء اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کے تحت چلتی ہیں۔ کائنات کی تمام چیزیں اللہ کے بنائے ہوئے قوانین اور اصولوں کی اطاعت پر مجبور ہیں اور اُس میں لمحہ برابر بھی کوتاہی نہیں کرتیں۔ کوئی بھی اللہ کے بنائے ہوئے قوانین میں میں تبدیلی نہیں کرسکتا۔ اُس نے آگ میں جلانے کی صفت پیدا کی، پانی میں نشیب کی طرف بہنے کی صلاحیت، زمین میں کشش ثقل رکھ دی جو ہر چیز کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور اِسی طرح تمام اشیاء میں خوبیاں اور صلاحیتیں رکھ دی ہیں۔ اس کے بعد تیسرا مرحلہ وہ ہے جس میں اُس نے انسان کی تخلیق کی اور انسانوں کے لیے بھی قوانین بنائے ہیں۔ انسانوں اور کائنات کی دوسری چیزوں میں فرق یہ ہے کہ باقی سب کے پاس کوئی اختیار نہیں جبکہ انسان کے پاس اختیار ہے اور انسان اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔ یعنی انسان کو اختیار دیا ہے کہ وہ چاہے تو اللہ کے حکم کے مطابق چلے یا چاہے تو نافرمانی کرے لیکن جو نافرمانی کرے گا اُسے غلط راستہ پر چلنے کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ اگر ہم اپنی مرضی سے کوئی غلط کام کریں اور پھر یہ کہہ دیں کہ یہ تو اللہ کی مرضی تھی تو ایسا کرنا غلط ہے۔ اگر تم سکول نہ جاؤ تو ظاہر ہے کہ تم اگلی جماعت میں نہیں جاسکتے اور یہ تمھارا اپنا قصور ہے مگر تم یہ کہو کہ اللہ کی مرضی ہی ایسی تھی تو یہ بالکل غلط بات ہوگی۔ یہی اصول زندگی کے دیگر تمام شعبوں کے لیے ہے۔ اللہ کی مرضی یا اُس کا چاہنا دراصل اللہ تعالیٰ کا قانون ہوتا ہے۔ ایک مسلمان صرف اللہ کے قانون پر عمل کرتا ہے۔ وہ قانون ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ قرآن مجید کی صورت اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے بھیجا ہے۔ ہمیں وہی کرنا چاہیے جو اللہ کی مرضی ہو اس طرح ہی ہماری یہ زندگی خوشگوار بھی ہوگی اور اگلی زندگی میں بھی کامیابی ملے گی۔

سانحہ ارتحال

بزم طلوع اسلام فتح پور سوات کے ایک فعال رکن افتخار احمد ساکن مدین کے والد صاحب قلندر میاں حرکت قلب بند ہونے کی وجہ سے وفات پا گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں بلند مقام عطاء فرمائے اور لواحقین و ورثاء کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔ بزم طلوع اسلام سوات کے احباب اور ادارہ مرحوم کے اہل خانہ ولواحقین کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(قسط پنجم)

دوقومی قرآنی نظریہ پر مطالبۂ پاکستان

خوش قسمتی سے عصرِ حاضر کے علوم اور محاورہ عرب کے مطابق عربی زبان، جس میں قرآن نازل ہوا، کی مستند لغات دستیاب ہیں۔ جن پر اُمت کا اتفاق ہے، اور وہ ان سے استفادہ بھی کر رہی ہے۔ تصریف آیات کی مدد سے فہم القرآن کا طریقہ البتہ انسانی تصانیف سے منفرد ہے۔ انسانی تصانیف کا انداز یہ ہوتا ہے کہ ایک کتاب ایک خاص موضوع سے متعلق ہوتی ہے۔ پھر اسے مختلف ابواب میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، اور جس مضمون سے متعلق باب ہوتا ہے، وہ پورے کا پورا اس باب میں آجاتا ہے۔ اس طرح جب اِس کتاب کا قاری، باب در باب آگے بڑھتا جاتا ہے، کتاب کا مفہوم ساتھ کے ساتھ سمجھ میں آتا چلا جاتا ہے، اور وہ کتاب ختم کر لیتا ہے، تو اِس کا مفہوم، مربوط شکل میں اِس کے ذہن میں منتقل ہو جاتا ہے۔ قرآن کا انداز اِس سے مختلف ہے۔ اِس اسلوبِ بیان کا نام، قرآنِ کریم کی اصطلاح میں "تصریفِ آیات" ہے، یعنی آیات کو پھیر پھیر کر لانے سے مفہوم کی وضاحت کرتے چلے جانا۔ وہ حقائق وقوانین کے مختلف پہلوؤں کو لوٹا لوٹا کر بیان کرتا ہے تاکہ لوگ انہیں اچھی طرح سمجھ سکیں۔ قرآن میں ہے کہ

وَ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ (6:105)

اور اس طرح ہم اپنے قوانین کو مختلف انداز اور اسلوبوں کے ساتھ سامنے لاتے ہیں اور (مختلف جگہوں پر) دہرا دہرا کر ان کی وضاحت کرتے ہیں، تاکہ لوگ بول اٹھیں کہ ان قوانین خداوندی کو نہایت دلنشیں انداز میں بیان کر دیا گیا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ ان قوانین کی حقیقت اور اہمیّت ان ہی پر واضح ہو سکے گی جو علم وبصیرت سے کام لے کر جاننا چاہیں گے۔

قرآن اور علمِ جدید کے تحقیقی اصولوں کی روشنی میں اسی فہم القرآن کے نظریہ کی تائید میں دوقومی قرآنی نظریہ کے معمارِ اوّل کی حیثیت سے پہچانے جانے والے سرسید احمد خاں نے بطور ایک مخلص راہنماء فہم القرآن کے درج ذیل اصول مرتب کر کے دئے ہیں۔

سرسید احمد خانؒ کے قرآن فہمی کے اصول:

1۔ قرآن مجید میں کوئی امر ایسا نہیں ہے، جو قانونِ فطرت کے برخلاف ہو۔ اعلانیہ کہتے ہیں کہ کسی ایسے امر کے واقع ہونے کا ثبوت نہیں ہے جو مافوق الفطرت ہو اور جس کو تم معجزہ کہتے ہو۔ جن آیاتِ قرآنی سے لوگ معجزاتِ مافوق الفطرت پر استدلال فرماتے ہیں، اُن سے ہم عرض کریں گے کہ آیا اُس کے کوئی دوسرے معنی بھی ایسے ہیں جو موافق زبانِ کلامِ عرب کے

اور موافق محاورات، استعمالات اور استعاراتِ قرآن مجید ہو سکتے ہیں۔ اگر نہ ہو سکتے ہوں، تو ہم قبول کریں گے کہ ہمارا یہ اصول غلط ہے۔ اگر ہو سکتے ہوں تو آپ اس بات کو ثابت نہیں کر سکتے کہ قرآن مجید میں معجزاتِ مافوق الفطرت موجود ہیں۔ ہمارے نزدیک خدا بموجب اپنے وعدہ کے سب کام اُس قانونِ قدرت کے مطابق کرتا ہے، جو اُس نے بنایا ہے۔ اُس وعدہ اور قانونِ فطرت میں جب تک کہ وہ قانونِ فطرت قائم ہے، تخلف محال ہے۔ اگر ایسا ہو تو ذاتِ باری کی صفاتِ کاملہ میں نقصان لازم ہے۔ ہمارے نزدیک کلمات اللہ اور خلق اللہ دو مرادف الفاظ ہیں، جن کا مطلب یہ ہے کہ فطرت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

2۔ قرآن مجید جس قدر نازل ہوا ہے، بتمامہ موجود ہے۔ نہ اس میں ایک حرف کم ہوا ہے نہ زیادہ ہوا ہے۔ ہر ایک سورہ کی آیات میرے نزدیک منصوص ہیں۔ قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ نہیں ہے۔ یعنی اس کی کوئی آیت کسی دوسری آیت سے منسوخ نہیں ہوئی۔

3۔ میری تفسیر کو مخالفانہ اور غیر معتقدانہ طور پر دیکھیں اور اس کی ایک ایک بات پر بھی یقین نہ کریں۔ سب کو غلط سمجھیں مگر اُس کو دیکھیں اور غور سے پڑھیں۔

4۔ جیسا تم کو کسی معنی کے حقیقی یا لغوی معنی لینے کا حق ہے، ویسا ہی مجھ کو اُسکے مجازی معنی لینے یا استعارہ اور کنایہ از قسم خطابیات قرار دینے کا حق ہے۔

5۔ فروع ہمیشہ متفرع ہیں کسی اصول پر، اور یہی اصول فروع کی دلیلِ قاطع اور برہانِ قطعی ہوتے ہیں۔

6۔ قرآن پر بحث سے پہلے اصولِ تفسیر پر ایک موقف پر پہنچنا لازم ہے ورنہ یہ مناظرانہ بحث، بحث برائے بحث رہ جاتی ہے۔

7۔ ہم کو لازم ہے کہ صرف الفاظِ قرآن کے پابند ہوں نہ کہ اُن قصوں کے جو یہود و نصاریٰ میں مذکور ہیں۔

8۔ کوئی کلام بجز قرآن مجید کے ایسا نہیں ہے کہ وہ جاہل اور اُمی محض کو بھی اُس نتیجہ پر پہنچا دے، جس نتیجہ پر ایک عالم فلسفی کو پہنچاتا ہے۔ قرآن کا طرزِ بیان ہر ایک کے مذاق اور دماغ کے موافق ہے۔

سر سیدؒ کے موقف کی تائید میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے بھی تلقین کی ہے کہ جو لوگ مغرب کے غلط فلسفیانہ تصورات کی تردید کی طرف قرآنی نظریات کی روشنی میں توجہ کریں، اُن کو اپنے مقالہ کے اسلوب اختیار کرنے میں ضروری ہے کہ وہ اِن اصولوں سے استفادہ کریں:

ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے فہمِ قرآن کے بنیادی اصول:

1۔ وہ روحِ قرآن کے ساتھ پوری پوری واقفیت پیدا کریں، جس کے بغیر قرآنی اور غیر قرآنی تصورات میں تمیز کرنا مشکل ہوگا۔

2۔ وہ مغرب کے غلط تصورات کے اصل ماخذ اور اُن کے متبعین کے طرزِ خیال و عمل سے پوری پوری واقفیت پیدا کریں۔

3۔ وہ علم کے تمام شعبوں، یعنی مادی، حیاتیاتی اور نفسیاتی علوم اور فلسفہ سے جو اِن علوم کو جمع کر کے ایک مکمل نظریۂ

کائنات کو ترتیب دیتا ہے، اس حد تک واقف ہوں کہ ان کی ساری وسعت میں جہاں کہیں کوئی صحیح اسلامی تصور موجود ہو اسے پہچان کر لے سکیں اور استخراج اور استنباط سے مزید صحیح اسلامی تصوارت کو اخذ کر سکیں۔

وہ دائرہ اسلام سے باہر چوٹی کے حکماء اور فضلاء کو ذہن میں رکھیں کیونکہ یہی لوگ ہیں جن کے قائل ہونے سے دُنیا کی ذہنی فضا سے باطل تصورات کا اثر زائل کیا جا سکتا ہے۔

5۔ وہ علمی دُنیا کے مسلّمہ حقائق سے آغاز کر کے ان قرآنی حقائق کی طرف آئیں جن کی صحت لوگوں کے نزدیک مسلّم نہیں۔

6۔ کسی غلط عقیدہ کی محض نفی مخالفین کو قائل نہیں کر سکتی، جب تک کہ اس کے مقابل کے صحیح تصور کا اثبات نہ کیا جائے۔

7۔ وہ ایک فلسفہ یا ایک فلسفیانہ خیال کی تردید کے لیے جن تصورات کو صحیح سمجھ کر کام میں لائیں کسی دوسرے فلسفہ یا دوسرے فلسفیانہ خیال کی تردید کرتے ہوئے اسے غلط قرار نہ دیں۔

8۔ مغرب کے صحیح تصورات کو نہ تو رد کریں اور نہ ہی ان کے غلط تصورات کو قبول کریں۔

9۔ ہر غلط فلسفہ کے اندر وہ جن تصورات کو صحیح سمجھیں انھیں دوسرے فلسفوں کی تردید کرتے ہوئے غلط قرار نہ دیں اور جن تصورات کو غلط سمجھیں انہیں دوسرے فلسفوں کی تردید کرتے ہوئے صحیح قرار نہ دیں، ورنہ وہ اپنی تردید خود کریں گے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے اِس ضمن میں دوسری جگہ مزید ہدایات دیتے ہوئے فرمایا کہ

10۔ کسی علمی صداقت کے ساتھ متصادم نہ ہو بلکہ ہر زمانہ میں تمام علمی صداقتوں کے ساتھ پوری طرح سے ہم نوا اور ہم آہنگ رہے اور جوں جوں نئی علمی صداقتیں منکشف ہوں، وہ اس کے اندر سماتی چلی جائیں۔

12۔ جس کے تمام تصورات ایک دوسرے کے ساتھ عقلی ربط وضبط رکھتے ہوں اور ایک دوسرے کی عقلی تائید اور توثیق کرتے ہوں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب اس کے تمام تصورات قرآن کے مرکزی اور بنیادی تصور یعنی عقیدہ توحید کے ساتھ عقلی طور پر متعلق ہوں۔

13۔ جو تمام باطل فلسفوں کی موثر تردید کرتی ہو۔

14۔ جو کائنات کا ایک مکمل فلسفہ ہو اور حقیقتِ انسان و کائنات کے اہم مسائل کے بارے میں عملی راہ نمائی کرتی اور صداقت اور سچائی کا راستہ بتاتی ہو۔

15۔ جو علمی تصوارت کی خامیوں کو آشکار کر کے انھیں پاکیزہ اور شستہ بناتی ہو۔

16۔ جو ہمیں احکام دین کی حکمتوں اور علتوں کے پورے سلسلہ سے آگاہ کرتی ہو اور ان حکمتوں اور علتوں کا ایک ایسا تصور دیتی ہو، جس میں اندرونی طور پر کوئی تضاد نہ ہو۔

قرآن نے خود بھی محاورہ عرب اور تصریفِ آیات کی مدد سے اہم اصولوں کی نشاندہی کی ہے اور ساتھ تاکید کی ہے کہ عصرِ حاضر کی تعلیمات پر بھی عبور حاصل کیا جائے۔

ہمارے ہاں کا ایک عام آدمی جب صِدق دِلی سے الحق کی تلاش میں روایتی تفسیر میں بیان کئے قرآن کا مطالعہ شروع کرتا ہے، تو وہ اس میں اختلافات، تضادات کی بھرمار دیکھ کر مایوس ہو کر مطالعہ کو ادھورا چھوڑ دیتا ہے۔ لہٰذا اس روش کا سنجیدگی سے جائزہ لینا لازم ہو جاتا ہے۔

قرآن میں اختلافات اور تضادات ہونے کے اعتراض کا تجزیہ:

اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ (انسانی تصانیف میں بھی) ایک عمدہ کتاب کی بنیادی خوبی یہ قرار دی جاتی ہے کہ وہ اپنے مفہوم کو واضح اور متعین طور پر سامنے لائے۔ اگر کوئی تحریر ایسے الفاظ میں منضبط ہو کہ وہ ہر شخص کو اس کی منشاء کے مطابق (الگ الگ) معانی دے، تو وہ کتاب اعتناء کے قابل نہیں سمجھی جائے گی۔ جب انسانی تصانیف کے عمدہ ہونے کا معیار یہ ہے، تو ایک ایسی کتاب، جس کے متعلق ہمارا ایمان ہے کہ وہ کسی انسان کی نہیں، بلکہ انسانوں سے بلند و بالا، خود خدا کی تصنیف ہے، تو کیا اس کی کیفیت یہ ہوگی کہ اس کے الفاظ مختلف اور متضاد معانی دینے کے حامل ہوں؟ اس کا جواب یقینی طور پر نہیں میں ہی ہوگا لہٰذا یہاں اِس نہیں کا قدرے تفصیلی دلائل کے ساتھ تجزیہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ چونکہ گروہ بندانہ مفاد کا تقاضا یہ ہوتا ہے (خواہ وہ مذہبی فرقوں کی شکل میں ہو، یا سیاسی پارٹیوں کی صورت میں) کہ قوم کے سامنے، اس کے نظریہ حیات اور نصب العینِ زندگی کے متعلق کوئی متفق علیہ اور متعین مفہوم نہ آنے پائے، اس لئے یہ اعتراض وارد کر دیا جاتا ہے کہ قرآن بے شک ایک متعین کتاب کا نام ہے، لیکن اس کتاب کا مفہوم تو متعین نہیں، اس کی تعبیر تفسیری روایات کی مدد سے الگ الگ کی جاتی ہے۔

مُجھے ایمان کی حد تک حقُ الیقین ہے کہ قرآنی تعلیم کی تعبیر اگر علمی، تحقیقی اور منطقی انداز سے کی جائے تو یہی ثابت ہوگا کہ قرآن میں کسی قسم کے اختلافات کی گُنجائش ہی نہیں ہے۔

قرآن کے الحق ہونے کا دعوٰی چونکہ اُمتِ مُسلمہ کی جانب سے بھی کیا جاتا ہے، لہٰذا قانونی طور پر اپنے دعوٰی کو ثابت کرنے کی پوری اُمتِ مُسلمہ کی ذمہ داری بنتی ہے۔ لہٰذا اِس ضِمن میں وضاحت کرنا چاہوں گا کہ خود قرآن نے اپنے الحق ہونے کے لئے پہلی شرط تضادات سے پاک ہونا بتلایا ہے۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ﴿۸۲﴾ (4:82)

کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے، اگر یہ کتاب خدا کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتی، تو اس میں بہت سے اختلافات پائے جاتے۔ لہٰذا قرآن میں اختلافات نہ ہونے کی بنا پر اس کی بنیاد پر دوقومی قرآنی نظریہ پر مطالبہِ پاکستان میں اِس سند سے پیش کئے گئے نظریات میں بھی اختلافات کی گنجائش رہنے کا امکان نہیں رہتا۔

قرآن میں اختلاف نہ ہونے کا مفہوم:

دوقومی قرآنی نظریہ پر مطالبہِ پاکستان کی وضاحت میں، البتہ یہ فریضہ سامنے رکھنا کہ اِس نظریہ کی بنیاد چونکہ قرآن ہے، اس لئے اس میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش نہیں ہے، ایک وضاحت طلب امر ہے۔ اِس کتاب میں قرآن کی آیات کے

حوالہ سے درج حقائق پر تو قرآن کے دعویٰ کے مطابق اختلافات کی گنجائش نہیں البتہ اِس سے اخذ کردہ نتائج اور دلائل وبراہین تو انسانی کاوش کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اِس میں اختلافات سے پاک ہونے کا دعویٰ ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے الفاظ میں فقط یہ ہے کہ ''وہ علمی اور عقلی طور پر صحیح ہو۔ کسی تصور کا علمی اور عقلی طور پر درست ہونا، اِس کے سوا اور کوئی معنی نہیں رکھتا کہ وہ اِن تمام تصورات کے ساتھ مناسبت ومطابقت رکھتا ہے، جو عقلی وعملی طور پر درست مانے جاسکتے ہیں''۔

صحیح تصورات کا امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ عقلی اور علمی نقطہ نظر سے ایک دوسرے کے معاون ہوتے ہیں لہٰذا وہ تصورات کا ایک ایسا مجموعہ بناتے ہیں، جس کے اندر غلط تصور داخل نہیں ہوسکتا۔ فلسفہ کی دنیا میں بھی ایسا نظریہ جس کے تمام تصورات ایک ہی مرکزی نظریہ سے ماخوذ ہوں، اُس میں حقیقی تضادات کا ہونا ناممکن ہے۔ ایسی حالت میں تضاد پڑھنے والے کے ذہن میں تو ہوسکتا ہے، لیکن جیسا کہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے وضاحت کی ہے، فلسفی کے ذہن میں نہیں ہوسکتا۔ ہم اِس مجموعہ سے کوئی تصور نکال کر اِس کی جگہ کسی غلط تصور کو نہیں رکھ سکتے۔ اگر ہم ایسا کریں تو وہ تصور اِس مجموعہ سے غیر متعلق اور الگ تھلگ نظر آئے گا، اور اِس کی وجہ سے مجموعہ کے منطقی تسلسل میں ربط نہ رہنے کی وجہ سے حقیقت سے دور چلا جائے گا۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ جو لوگ قرآن سے اختلاف کرتے بھی ہیں، اُنہیں علم کی سند حاصل نہیں ہوتی بلکہ وہ ضد میں آکر ہی اختلاف کرتے ہیں۔

وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا (2:213)

''انہوں نے روشن ہدایات پالینے کے بعد محض اس لئے حق کو چھوڑ کر قرآن میں اختلاف کیا کہ وہ آپس میں زیادتی کرنا چاہتے تھے۔''

ہمارے لئے قرآن نے اور اِس کی بنیاد پر دو قومی قرآنی نظریہ میں بھی یہی بنیادی اصول دیا ہے کہ انسانی بقاء اور مزید ارتقاء انسانی ذات کی نشو ونما میں ہے۔ انسانی ذات کی نشوونما، دوسروں (پوری نوع انسانی) کی بہبود کے لئے دینے (Contribute) میں پوشیدہ ہے۔ اسی اصول پر عمل کرنے سے جنتی معاشرہ تشکیل پاتا ہے، جس میں نہ کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ ہی حُزن بلکہ ہر فرد فساد و ناانصافی سے پاک فضاء میں مطمئن زندگی گزارتا ہے۔ اس کی تفاصیل آپ کو کتاب کے دوسرے اوراق میں جابجا بکھری ہوئی ملیں گی۔ لہٰذا جو اعمال اس نظریہ کے نتائج کے ساتھ مناسبت اور مطابقت رکھتے ہوں گے، وہی عقلی اور عملی طور پر قرآن کے اصول سے وابستگی کی بنا پر درست مانے جاسکتے ہیں۔ اس نظریہ سے الگ کوئی تصور یا عمل باطل ہونے کی وجہ سے الگ اور تضاد کا شکار ہوجائے گا۔

قرآن کریم میں یہی نہیں کہ دو اختلافی حکم نہیں ہیں بلکہ قرآن کریم کی تعلیم میں بھی کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ وہ ایک جگہ تو ایک قسم کی ذہنیت پیدا کرے اور دوسری طرف ایسی تعلیم دے کہ اس کے خلاف دوسری ذہنیت پیدا ہو رہی ہو۔ قرآن کریم یہ کبھی نہیں کرے گا۔ یہاں یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ جب پوری کائنات میں ایک بھی علمی شہادت کسی باطل تصورِ حقیقت کے حق میں باقی نہ رہے، تو پھر باطل تصورات کا باقی رہنا بھی ناممکن ہوجاتا ہے۔

قانون کے معاملہ میں فلاں اتھارٹی کی تعبیر حرفِ آخر سمجھی جائے گی تو اِس قسم کی شق قرآنی اصولوں کے علاوہ اُس کی تعبیرات کو بھی محیط ہوگی، بالخصوص جب اسلامی نظام میں قانون کی بنیاد ہی قرآنِ کریم ہوگا۔ پاکستان کے آئین میں بھی اِس کی وضاحت ملتی ہے کہ آئین اور قانون سازی کا حق پارلیمنٹ کے ادارہ کی قانونی ذمہ داری ہے، جبکہ اس کی تعبیرات عدلیہ کی ذمہ داری اوران کا قانونی حق ہے۔ اِس طرح قانون کے معاملے میں اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔

قانون سے مُتعلقہ آیات کو مُحکمات کا درجہ دے کر قرآن نے خود میں اختلافات اور تضادات سے پاک ہونے کی مزید تصدیق یوں کر دی ہے۔

آیاتِ محکمٰت ومتشابہات میں اختلاف کا تجزیہ:

قرآن میں وضاحت پائی جاتی ہے کہ:

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (3:7)

وہی تو خدا ہے، جس نے تم پر (اے رسول) ضابطہء حیات نازل کیا۔ اس میں ایک حصّہ تو محکم آیات (مستقل اقدار، قوانین اور احکام) پر مشتمل ہے، جو اس ضابطہ کی اصل و بنیاد ہے، اور آیات کا دوسرا حصّہ متشابہات ہیں۔ سو جن لوگوں کے دل، حق کی راہ چھوڑ کر دوسری طرف جھک جاتے ہیں، وہ محض فتنہ پیدا کرنے کے لئے، ان متشابہات کے الفاظ ہی کو اصل وحقیقت قرار دے لیتے ہیں، اور ان حقائق کی کنہ وحقیقت متعیّن کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور ایسا کرنے میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، حالانکہ ان کی اصل وحقیقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور جو لوگ علم میں راسخ ہیں، وہ عقل وبصیرت کی رو سے ان کے بیان کرنے کا مقصد سمجھ سکتے ہیں اور سمجھا سکتے ہیں، اور وہ (اولی الالباب) یوں کہتے ہیں کہ ہم متشابہات پر، جیسی وہ حقیقت میں خدا کے نزدیک ہیں، ایمان لاتے ہیں اور ان کی اصل وحقیقت کا علم ہمارے نشوونما دینے والے کے علم میں ہے۔ اور متشابہات کی مقصدیّت وراہ نمائی تو صرف ان لوگوں کے سامنے آتی ہے جو غور وتدبّر اور عقل وبصیرت سے کام لیتے ہیں۔

قرآن عظیم کی تعلیم کا ایک حصہ محکمٰت پر مشتمل ہے، جس میں اس نے انسانی زندگی کے لئے راہ نمائی دی ہے۔ اس کے الفاظ کا وہی مفہوم ہوگا، جو اِن الفاظ کے معنی ہیں۔ ان کو اصولِ حیات یا مستقل اقدار کہا جائے گا۔ یہ اصول واقدار بالکل واضح اور متعین ہیں، اور ان کے سمجھنے میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوسکتا۔ امورِ مملکت اور ہماری زندگی کے امور کا تعلق اسی گوشہ سے ہے۔

قرآنی تعلیم کا دوسرا گوشہ متشابہات کا ہے۔ اس حصے کا تعلق حقائقِ کائنات اور مابعد الطبیعاتی مسائل Metaphysical سے ہے۔ اس حصے میں حقائق کو ملتے جلتے الفاظ یعنی استعارات وتمثیلات کے پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کا مفہوم مجازی معنوں میں بھی لیا جاتا ہے۔ ان حقائق کے سمجھنے کا مدار، انفرادی فکر اور بہ ہیئت مجموعی انسانی علم کی سطح پر ہے۔ جوں جوں انسانی علم

کی سطح بلند ہوتی چلی جائے گی، توں توں یہ حقائق بے نقاب ہوتے چلے جائیں گے۔ جو شخص جس قدر زیادہ غور و فکر سے کام لے گا، وہ انہیں اسی قدر زیادہ عمدگی سے سمجھ سکے گا۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے کہ:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ (42:29)

''اور خدا کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے ارض و سمٰوٰت (زمین اور دیگر اجرامِ فلکی) کو پیدا کیا اور ان میں ذی حیات کو پھیلا دیا۔ اور وہ اس پر بھی قادر ہے کہ اپنے قانون مشیت کے مطابق زمین اور ان اجرام کے ذی حیات کو اکٹھا کر دے''۔

ظاہر ہے کہ اس آیت کا مفہوم آج سے کچھ عرصہ پہلے کچھ اور لیا جاتا تھا، اور آج (بالخصوص تسخیرِ قمر کے بعد) اس کا مفہوم واضح ہوتا چلا جا رہا ہے، اور جس دن کسی اور کرۂ کے ذی حیات (خواہ وہ جراثیم ہی کیوں نہ ہوں) زمین پر لائے جائیں گے، تو اس آیت کا مفہوم متعین ہو جائے گا۔ اسی قسم کے حقائق کے سلسلہ میں فرمایا کہ:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ (41:54)

''ہم انہیں خارجی کائنات اور خود ان کی اپنی دنیا میں اپنی نشانیاں دکھاتے چلے جائیں گے، تا آنکہ یہ بات واضح طور پر ان کے سامنے آ جائے کہ قرآن جو کچھ کہتا ہے، وہ حقیقت پر مبنی ہے۔''

یوں آیات متشابہات میں حقائق کا مفہوم متعین ہوتا چلا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ ان نشانیوں کے بے نقاب ہونے کے بعد بھی، ان کا مفہوم ہر شخص کی علمی اور فکری استعداد کے مطابق اس کی سمجھ میں آئے گا۔ متشابہات کے مفہوم میں انفرادی طور پر اختلاف ہو سکتا ہے۔ یہ اختلاف اصل میں نہ تو اختلاف ہوتا ہے اور نہ ہی اِس کی بنیاد پر کوئی فرقہ بن سکتا ہے۔

یہ تو اختلاف فی العمل ہی ہوتا ہے، جس کی بنیاد فرقہ بنتا ہے۔ حسب استعداد اختلافات صرف بسیط حقائق کے مفہوم میں ہو سکتے ہیں، لیکن جہاں تک انسانی زندگی کی راہ نمائی اور امور مملکت کا تعلق ہے، قرآنی اصول و اقدار کا مفہوم متعین اور واضح ہے۔ متشابہات کی تعبیر کے اختلاف کے سلسلہ میں، یہ لوگ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے اختلافات کو بطور دلیل پیش کر دیتے ہیں۔ انہیں اس کا علم نہیں کہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کا اختلاف روایات کے اختلاف کا نتیجہ ہے، نہ کہ قرآن کی تعبیر کا۔ اس پر اُن کی طرف سے اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ قرآن کے اصولوں کی تعبیرات میں کوئی اختلاف نہیں، لیکن اصولوں کی تعبیر میں اختلاف نہ ہونے سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ اختلافات کی کوئی گنجائش نہیں۔

اِس ضمن میں وہ بھول جاتے ہیں کہ اسلامی نظام کی بنیادی شرط یہ ہوتی ہے کہ ایک ایسی اتھارٹی مقرر کر لی جائے، جس کی قرآنی تعبیر ہر ایک کے لئے واجب التسلیم ہو۔ جب آپ اپنے آئین میں اِس قسم کی شق رکھتے ہیں کہ آئین اور قانون کے معاملہ میں فلاں اتھارٹی کی تعبیر حرفِ آخر سمجھی جائے گی تو اِس قسم کی شق قرآنی اصولوں کے علاوہ اُس کی تعبیرات کو بھی محیط ہوگی، بالخصوص جب اسلامی نظام میں قانون کی بنیاد ہی قرآنِ کریم ہوگا۔ پاکستان کے آئین میں بھی اِس کی وضاحت ملتی ہے کہ آئین اور قانون سازی کا حق پارلیمنٹ کے ادارہ کی ذمہ داری اور قانونی حق ہے، جبکہ اس کی تعبیرات عدلیہ کی ذمہ داری

اوران کا قانونی حق ہے۔ اِس طرح قانون کے معاملے میں اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔

ایسی ہی راہنمائی ہمیں پاکستان سپریم کورٹ کے ایک فیصلے میں بھی ملتی ہے۔

سپریم کورٹ کا فیصلہ:

عصرِ حاضر کے مُہذب معاشروں میں حتمی اور آخری فیصلہ جات کے لئے عدالت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، لہٰذا اِس ضمن میں پاکستان کی سپریم کورٹ نے ایک فیصلہ صادر فرمایا جو (P.L.D) کی اشاعت بابت اگست 1980ء میں شائع ہوا۔ اس میں ریٹائرڈ جسٹس محمد شفیع کے ایک فیصلے کا اقتباس بھی دیا گیا ہے، جس میں انہوں نے کہا تھا کہ یہ حقیقت واضح ہے کہ قرآن کریم کا پڑھنا اور سمجھنا کسی ایک یا دو افراد کی اجارہ داری نہیں۔ اسے آسان اور قابل فہم زبان میں نازل کیا گیا تھا تاکہ جو مسلمان بھی کوشش کریں اسے سمجھ سکیں اور اس پر عمل بھی کر سکیں۔ اس سے ثابت ہے کہ قرآن کے پڑھنے اور سمجھنے کا حق ہر مسلمان کو دیا گیا ہے، جسے کوئی شخص، خواہ وہ کتنے ہی بلند منصب پر فائز اور صاحب علم کیوں نہ ہو، اس سے چھین نہیں سکتا۔ قرآن کے سمجھنے کے لئے متقدمین کی تفسیروں سے صرف استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کی تعبیر میں انہیں حرف آخر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ قرآن کے پڑھنے اور سمجھنے سے مراد اس کی تعبیر ہے اور تعبیر سے مقصود یہ ہے کہ اس کے احکام کو حالات حاضرہ کے تقاضوں اور دنیا کی بدلتی ہوئی ضرورتوں کی روشنی میں نافذ کیا جائے۔ اگر ان مفسرین کی تعبیرات کو جو بارہ تیرہ سو سال پہلے ہو گذرے ہیں، حرف آخر سمجھ لیا جائے تو تمام مسلم معاشرہ ایک فولادی پنجرے میں محبوس ہو جائے گا اور اسے اس کی اجازت ہی نہیں ہو گی کہ وہ زمانے کے ساتھ نشوونما پا سکے۔ اس سے اسلام ایک عالمگیر دینی نظام ہونے کے بجائے ایک ایسا مذہب بن کر رہ جائے گا جو اسی زمانے تک محدود رہے گا جس میں وہ نازل ہوا تھا۔''

لہٰذا عدلیہ کی سب سے بڑی اتھارٹی سپریم کورٹ کے فیصلے سے اُمت کو یہی راہنمائی ملتی ہے کہ وہ قرآن کریم کی تعبیرات پر مسلسل اور بغیر توقف کئے تحقیق کرتے رہیں۔ تحقیق کی وضاحت میں کہا جاتا ہے کہ حق تک رسائی کا یہ سب سے موثر راستہ ہے۔ اِس واضح فیصلہ کے باوجود مکتبِ مُلا کی سوچ اپنے مذہبی عقائد کے گرد ہی گھومتے دِکھائی دیتی ہے۔

قرآن کا اختلافات سے پاک ہونے کا دعویٰ:

قرآن میں دیا گیا ہر دعویٰ، انسانی اعمال کی قرآن سے مطابقت میں نتیجہ خیز ہوتا ہے قرآن حکیم نے اپنے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہی یہ دی ہے کہ اِس میں کوئی اختلافی بات نہیں ہے۔ اختلاف کی ایک شکل تو یہ ہوتی ہے کہ مثلاً ایک جگہ لکھا ہو کہ خدا واحد ہے، دوسرے مقام پہ لکھا ہوا ہے کہ نہیں خدا تین ہیں۔ اس قسم کے اختلاف کا سوال ہی نہیں ہے، اور پھر اِس قسم کی چیز تو کسی اچھے مصنف کی کتاب میں بھی نہیں ہو سکتی۔ قرآن تو اپنے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہی یہ پیش کرتا ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں ہے۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ﴿۸۲﴾ (4:82)

''کیا یہ لوگ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے، اگر یہ کتاب خدا کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتی، تو اس میں بہت سے اختلافات پائے جاتے''۔

یہاں تدبر کہا گیا ہے دبر (د۔ب۔ر) کے معنی ہیں جانور کی پیٹھ کا آخری حصہ۔ اِس اعتبار سے کسی پروگرام کے انجام کو یعنی اِس کے نتائج کو بھی اِس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تدبیر کے معنی ہوتے ہیں ''کسی بات کے آخری مقام کو سامنے رکھ کر اِس کے لئے کوئی پروگرام وضع کرنا، نتائج اور انجام اور عواقب کو پیش نظر رکھنا، کسی تعلیم کو اِس کے نتائج کے اعتبار سے دیکھنا کہ اِس کے اندر اختلاف نہ ہو جائے''۔

پہلے تو یہ جو غور وفکر ہے، اِس کا طریقہ قرآن کے پیچھے پیچھے چلنا (Follow) ہوگا۔ دبر کے معنی آگے آگے نہیں بلکہ پیچھے پیچھے چلنا ہوگا۔ قرآن کریم کو پیچھے لگانا یہ ہے کہ پہلے ذہن میں جو خیالات ہیں، ان کو لیا جائے اور پھر ذہن میں محفوظ خیالات کی تائید کے لئے قرآن کریم کا مطالعہ کیا جائے۔ یہ تدبر فی القرآن نہیں ہے۔ قرآن کریم میں غور وفکر کا جو طریقہ ہے، وہ یہ ہے کہ اِس کے پیچھے پیچھے چلا جائے کہ یہ کیا کہتا ہے اور پھر غور وفکر کرے۔ اِس کے بعد وہ دیکھے گا کہ قرآن حکیم جو تعلیم پیش کرتا ہے، اِس تعلیم کے نتائج کے اعتبار سے اختلاف نہیں رہیں گے۔ وہ نتائج ایسے پیش کرے گا کہ جن میں متضاد باتیں نہیں ہوں گی۔ اُن میں اختلافی بات نہیں ہوگی۔ اور اُن میں نتائج کے اعتبار سے وحدت ہوگی۔ اِس کے مکمل اور مطلق الحق ہونے اور ہر قسم کے اختلافات سے پاک ہونے کی صلاحیت صرف کلام اللہ کے لئے مخصوص ہے اور اس بارے میں قرآن کی طرف سے نوعِ انسانی کے لئے کھُلا چیلنج موجود ہے کہ:

وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ ۪ وَادْعُوْا شُہَدَآءَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُہَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ ﴿۲۴﴾

(2:23-24)

اگر تمہیں اس (قرآن کے حق ہونے) میں شک ہے، جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا ہے، تو ایک سورۃ اس جیسی بنا کر لے آؤ۔ اور اللہ کو چھوڑ کر، اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو، اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر تم نے (ایسا) نہ کیا، تو اِس آگ سے بچو، جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، یہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

جیسا کہ آیت (4:82) سے واضح ہو جاتا ہے کہ اختلافات کی بنیادی وجہ قرآن پر تدبر اور عقل وفکر سے کام نہ لینے کی روش میں پوشیدہ ہے۔ لہٰذا اس کا جائزہ لینا ہوگا۔ آخر میں وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے اِس تصنیف میں اِن اصولوں کی پاسداری کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔

تحقیقی اصولوں کی میری طرف سے مکمل پاسداری:

میں نے ایم اے سے لے کر ڈاکٹریٹ تک اسلام اور فلسفہ کو خصوصی مضمون کے طور پر اپنی تحقیق کے لئے منتخب کیا۔ اس لئے میں اس امر سے آگاہ تھا کہ تحقیق میں لازم ہے کہ، (حوالہ جات کے لئے شخصیتوں کی اہمیت اپنی جگہ)، ذمہ داری اور جواب دہی مقالہ نگار کی ہی ہوتی ہے۔ اسی تحقیقی اسلوب کو مدنظر رکھتے ہوئے، قرآنی تصورات کو اجاگر کرنے میں دیئے گئے حوالہ جات پر انحصار نہیں کیا گیا بلکہ جہاں ضرورت محسوس کی، خود اصل سند سے، اس کی تصدیق کی، اور مطمئن ہونے کے بعد استفادہ کیا۔ ان مفاہیم کے بیان میں میری حتی المقدور کوشش یہ رہی ہے کہ اپنے مباحث کو نظریہ پاکستان کے ساتھ وابستہ اصحاب کی پیروی میں قرآن ہی تک محدود رکھوں، اور فلسفیانہ علمی، تحقیقی، تنقیدی اور منطقی اصولوں کی دلائل میں پاسداری کروں۔ میری قارئین کرام سے یہی گزارش ہے کہ آپ بھی میری گزارشات کا مطالعہ، انہی درج بالا اصولوں کی روشنی میں کریں اور حق کی تلاش کریں۔

آخر میں میں وضاحت کرنا چاہوں گا کہ میں نے یہ تحقیقی سلسلہ ان اصحاب کی خواہشات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تحریر کیا ہے، جو قرآن کو علمی، تحقیقی، تنقیدی اور منطقی انداز سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قرآن میں بھی اس روش سے روگرادانی کے متعلق ہے کہ

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ (7:179)

''جن وانس کی اکثریت جہنمی کیفیت میں زندگی گزارتے ہیں۔ یہ سینے میں دل (Mind) رکھتے ہیں، لیکن اس سے سوچنے سمجھنے کا کام نہیں لیتے۔ ان کی آنکھیں بھی ہوتی ہیں، لیکن ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ وہ کان بھی رکھتے ہیں، لیکن ان سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ انسان نہیں بالکل حیوان ہوتے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ راہ گم کردہ۔ یہ لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں''۔

حیوان سے انسان کی تمیز ہی اس کی سماعت وبصارت کے حواسی ذرائع اور قلب (Mind) کے ذہنی ذرائع سے ہوتی ہے۔

آخر میں ہم ان اصولوں کی مکمل پاسداری کرتے ہوئے سمجھتے ہیں کہ علمی تناظر میں قرآن کے اختلافات سے پاک ہونے کے شواہد مہیا کر دیئے ہیں اور پوری کتاب میں کسی ایک اختلاف کی بھی نشاندھی سے مشکور ہوں گا، لیکن شرط بس اتنی ہے کہ مُخلص علمی انداز میں اعتراض کیا اور اُسی انداز سے جواب سے مُستفید ہوا جائے۔

(جاری ہے)

پاکستان میں

غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل مقامات پر بذریعہ ویڈیو ٹیپ ہوتا ہے

نوٹ: نمائندگان محترم سے التماس ہے کہ ایڈریس، فون نمبر، ای میل یا اوقاتِ درس میں تبدیلی کی صورت میں ادارہ کو فی الفور مطلع فرمائیں۔

شہر	مقام	دن	وقت
ایبٹ آباد	234-KL کیہال۔ رابطہ احمد نواز خان۔ فون: 0992-334699۔ موبائل: 0314-5035285	بروز جمعہ	3 PM
اسلام آباد	مکان نمبر 302۔ اسٹریٹ نمبر 57۔ سیکٹر F-11/4۔ رابطہ ڈاکٹر انعام الحق۔ فون: 051-8357302 Email: dr.inam57@gmail.com		
اوکاڑہ	بر مکان احمد علی، بیت الحمد 4-AB-180، ابوبکر بلاک شادمان کالونی، ایم۔اے جناح روڈ، نزد مبارک مسجد رابطہ میاں احمد علی: 0442-527325، موبائل: 0321-7082673	بروز جمعہ	3 PM
پنج کسی	بر مطب حکیم احمد دین۔ رابطہ ڈاکٹر محمد سلیم قمر تحصیل کبیر والا ضلع خانیوال فون نمبر: 0345-7385320 Email: muhammad_saleem450@yahoo.com	بروز جمعہ	3 PM
پنڈ دادن خان	رابطہ محمد نذیر۔ بمقام وڈاک خانہ روال نزد غریب وال سیمنٹ فیکٹری، تحصیل پنڈ دادن خان ضلع جہلم فون نمبر: 0346-6450130 Email: nazeernaz@hotmail.com	بروز بدھ	بعد نماز عشاء
چوٹی زیریں	بر دوکان لغاری برادرز زرعی سروس، ڈیرہ غازی خان۔ رابطہ: ارشاد احمد لغاری۔ موبائل: 0331-8601520	ہر ماہ پہلا اتوار	12 Noon
چنیوٹ	11/9-W، گوجر چوک (گنبد والی کوٹھی) سیٹلائیٹ ٹاؤن۔ رابطہ: چوہدری دلمیر خان، فون: 047-6331440، موبائل نمبر: 0321-7704564	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
راولپنڈی	فرسٹ فلور، کمرہ نمبر 114، فیضان پلازہ۔ کمیٹی چوک۔ رابطہ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ، موبائل: 0331-5035964 Email: abidhussain3012@hotmail.com	بروز اتوار	9:30 AM
راولپنڈی	بر مکان امجد محمود، مکان نمبر 14/A، گلی نمبر 4، راہ طلوع اسلام، جنجوعہ ٹاؤن، اڈیالہ روڈ، نزد جراہی سٹاپ، راولپنڈی۔ رابطہ: رہائش: 051-5191248، موبائل: 0322-5081985	بروز اتوار	10 AM
سرگودھا	B-4، گلی نمبر 7، بلاک 21، نزد مکی مسجد چاندنی چوک، رابطہ۔ ملک محمد اقبال۔ فون: 048-3711233 0306-6730342	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ

سیالکوٹ	معرفت کمپیوٹرسٹی، سٹی ہاؤس، سٹی سٹریٹ، شہاب پورہ روڈ، رابطہ: محمد حنیف 03007158446۔ محمد طاہر بٹ 0300-8611410۔ محمد آصف مغل 0333-8616286۔ سٹی ہاؤس 052-3256700	ہر دوسرے اتوار	5PM
فیصل آباد	رحمان نور سینٹر، فرسٹ فلور، مین ڈگلس پورہ بازار، رابطہ: محمد عقیل حیدر، موبائل: 0313-7645065 Email: bazamfaisalabad@gmail.com	بروز جمعہ	4PM
فیصل آباد	جاوید کلینک بالمقابل فریدی مسجد، قادر آباد، چوک غلام محمد آباد، فیصل آباد رابطہ: ہومیو پیتھک ڈاکٹر ایم یونس جاوید، موبائل نمبر 0300-7656804	بروز اتوار	10AM
کراچی DHA	48 سی، 21 کمرشل اسٹریٹ، میز انین فلور، فیز 2، ایکسٹینشن ڈی ایچ اے، کراچی، رابطہ: محمد اقبال 021-35395702، موبائل نمبر: 0300-2275702 Email: bazmkhi@hotmail.com, Web:www.mafhoomulquran.com	بروز اتوار	10AM
کراچی لانڈھی	ڈبل اسٹوری نمبر 16، گلشن مارکیٹ، کورنگی نمبر 5، ایریا 36/C، پوسٹ کوڈ 74900 رابطہ: محمد سرور۔ فون نمبرز: 021-35031379-35046409، موبائل: 0321-2272149	بروز اتوار	2PM
کراچی ملیر سٹی	نالج اینڈ ویزڈم سنٹر، سلمان ٹاورز، آفس نمبر A-45، بالمقابل نادرا آفس، ملیر سٹی۔ رابطہ: آصف جلیل فون: 021-35421511، موبائل: 0333-2121992، محمود الحسن۔ فون: 021-34179307 Email: asif.jalil1@gmail.com	بروز اتوار	11 AM
لاہور	B-25، گلبرگ 2، (نزد مین مارکیٹ، مسجد روڈ)۔ رابطہ فون نمبر: 042-35714546 0321-4460787 Email: idarati@gmail.com	بروز اتوار	9:30AM
لاڑکانہ	مکان نمبر 1582 پرانا عیدگاہ روڈ نزد قاسمیہ مسجد محلّہ جاڑل شاہ۔ رابطہ سکندر علی عباسی، فون: 074-4042714، اللہ بخش شیخ، موبائل: 0333-7542644	بروز جمعہ	بعد نماز مغرب
منڈی۔۔ بہاؤالدین	رابطہ: ماسٹر خان محمد (وڈیو کیسٹ) بر مکان ماسٹر خان محمد گلی نمبر 1، محلّہ صوفی پورہ۔ موبائل نمبر: 0334-4907242 فون نمبر: 0456-520969	بروز جمعہ	10 AM
نواں کلی، صوابی	جوہر علی شاہ۔ محلّہ خود خیل کرنل شیر کلی۔ تحصیل رزڑ۔ ضلع صوابی۔ فون: 0336-9770807, 0301-8344296 Email: israrullah901@gmail.com	بروز اتوار	10 AM
صوابی	گاؤں وڈاکخانہ چارباغ تحصیل وضلع صوابی رابطہ: عمر فاروق موبائل: 0343-8981935		
ملتان	بر مکان مظہر حیات۔ نزد مین گیٹ خواجہ فرید سوشل سیکوریٹی ہسپتال وہاڑی روڈ۔ ملتان۔ رابطہ شان الٰہی مظہر، موبائل: 0300-4469722	ہر اتوار	
مینگورہ۔ سوات	رابطہ۔ خورشید انور معرفت طارق آپٹیکو۔ خالد پلازہ حاجی شمس الحق۔ نشاط چوک۔ مینگورہ ضلع سوات فون: 0315-9317755 Email: khurshaidanwar@yahoo.com	ہر ماہ پہلے جمعہ کو	2PM
علی گرام۔ سوات	علی گرام۔ تحصیل کبل ضلع سوات۔ رابطہ محمد ظاہر شاہ خان۔ فون: 0346-9467559 حجرہ عظیم خان۔ فون: 0341-4342200	ہر اتوار	8:30AM
فتح پور۔ سوات	فتح پور، سوات، رابطہ: خورشید انور، فون: 0946-840800 موبائل: 0315-9317755 امیر زیب خان۔ موبائل: 0344-9893235	ہر اتوار	3PM

Manzil ba Manzil **(منزل بہ منزل)**

Chapter 6: Tears of passion (*Shola-e-Namnaak* شعلہ نمناک) –

To my fellow travelers

(Tulu-e-Islam Convention, April, 1962)

Episode No: 1

Waiting for a caravan to come through the lonely desert;
Well, after a long time, I hear the song of a camel rider!

My dear fellow adventurers: *Salam-o-Rahmat*
Parting for one year is a very long time and patience-enduring. But to reduce my frustration from star-gazing and heart-wrenching I keep you, my dear friends, in my imagination when I am busy in writing – which is, in fact, all the time. Therefore, you are never away from me.

You are always with me!
When no one is with me!

This way I turn the instants of separation into moments of union. And I smilingly tell any enquirer:

Separation spent in memory of my beloved's beauty;
Awaiting morn, the long night passed quite joyfully!

But this joy is really a beautiful make-belief. The pain of this separation only disappears when you, my dear friends, quench the thirst of my vision and heart when you actually arrive here carrying all your sincerity and love. And thus after waiting for a year the season of spring takes over the entire environment; and my dreariness suddenly starts calling:

In the house of sorrow there was no trace of any happiness!
Once you arrived, it started shining with heavenly happiness!

May Allah intensify the speed of your inner driving force because this is the heavenly journey of the passionate caravan heading towards Quranic destination!

Don't ask how focused this shining caravan is in its Quranic journey?
Its wherewithal is but the strength of its character, and a firm belief!
How dignified its life is, and how lovely is the sound of its divine bell?
As a wave in the ocean it moves gracefully with its own power sans wind!

Success of our movement

My dear friends, I surrender before Allah at every step for the success that this

movement is having by His Grace although its resources are next to nothing. Just think about it my friends! In terms of numbers it has only a small band of dedicated souls. Its resources are extremely meagre. There is no outside endorsement from any quarter. There is no help or support of any kind from anywhere. These unfavorable conditions? – But such a level of success that there is no corner of the country that has not been introduced to the voice of Tulu-e-Islam! There is much talk surrounding the Quranic message among the intelligentsia of the country. The educated youth is getting introduced to this message. This message has reached the intellectuals in the West as well. And research scholars from the West come to see me to gain more information about our movement. Recently a German explorer visited me; and he has devoted one chapter about Tulu-e-Islam movement in his book about India and Pakistan. What could be the reason for this miraculous success other than the fact that there is intrinsic power in the voice of truth which compensates for the lack of resources to a large extent? The cosmic forces of Nature are ready to lend their support to the group that rises up to propagate the voice of truth. And the world sees with its own eyes this scene that:

Sun's ray is itself intensely driven by its surreal desire;
Else the reality of dew's flight is all very well-known!

I am getting convinced and my hope is turning into reality that:

My constant wailing will melt hearts in favor of this message;
Every sincere soul of this Ummah is eager for this message!

The benefit of opposition

Sometimes the Nature's program is strange in favor of the voice of truth. It compensates the lack of means of the followers of truth by the powerful means of the proponents of falsehood. This is exactly what has happened in regards to propagating our message of the Quran. How could we have propagated this message so far and wide in such a short time with such meagre resources at our disposal if it wasn't for our enemies' powerful opposition? It was beyond our wildest imagination to believe how the propaganda of our enemies could propel our mission so fast?

Who could believe the working of the storm of falsehood?
That it will propel my boat to the bank of the shore so soon!

It is mentioned in the story of Ibrahim (PBUH) that all animals tried to extinguish the fire that Nimrod lighted for him except the Chameleon, who tried to enflame it as much as he could by blowing air on the fire on top of its

lungs. But the result was that the fire turned into Abrahamic safe heaven. May Allah make its lungs even stronger!

Thanks to the truth's enemies and their hoopla;
Truth's sway and its power reached high level!

Reason for opposition

My dear friends, have you ever thought about why there is so much opposition against Tulu-e-Islam? All religious sects are constantly involved in sectarian fights among themselves because every sect wants to keep its monopoly. Tulu-e-Islam is not any religious sect. Its entire teaching is against sectarianism. It calls for the unity of Ummah and the brotherhood of Muslims – in fact it is the herald for the brotherhood of universal of humanity. Those who agree with its message do not enter into any new sect nor do they form any kind of a separate religious group compared to other Muslims. They practice the religious rituals like prayer, fast etc. the way they were doing before. (I myself belong to Hanafi family and pray according to Hanafi way.) They do not believe in the coming of any new prophet after the last Prophet Muhammad (PBUH), whether it is called sainthood, prophet-hood, or any other-hood. Tulu-e-Islam believes that after the last Prophet (PBUH), Islam cannot be attached with any person except only with the Islamic system. It believes the authority in Islam cannot be any person's saying or action. It is clear that if this is the ideology of Tulu-e-Islam then there is no question of it forming a sect. Therefore, the opposition to it cannot be done on the basis of religious sectarianism.

Moving on from religious sects to political parties, we find that these parties also fight with each for their own self-interests. Tulu-e-Islam does not have any connection with any political party either. It believes that just as sectarianism is destructive to دین (*Deen*), creating political parties is also destructive to دین (*Deen*) and Ummah. The Muslim Ummah is itself a party compared to non-Muslims, so there is no question of having any parties – whether political, social, or religious –within it. Therefore, the opposition to Tulu-e-Islam is not based on political rivalry.

From this it is clear that their opposition to Tulu-e-Islam is not due to fear that one day it will become a powerful sect or party. Their opposition is in fact the opposition to the voice of the Quran that it raises. In the words of the Quran: قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (6:33) – We are well aware that what they say grieves you. But you should know that it is not you whom they charge with falsehood; it is Allah's laws which they treat as false.

Think about it my friends that hundreds of thousands of books and literature is

published in the country that are not only against the foundation of دین (*Deen*) and Islam but these publications corrupt and destroy the moral and ethical fabric of the society and its citizens. These people who are so much against Tulu-e-Islam never bother to create a united front against such corrupt literature and demand its confiscation or censure.

Also, there are many people in the country who not only deny Allah, His revelation, His Prophet (PBUH), and Hereafter but (May Allah protect) make fun of them. There are people who feel proud to call themselves atheists. These custodians of religion never pronounce fatwas against them; nor declare that their wives divorced; nor object to offering their funeral prayers; nor object to burying them in Muslim cemeteries. But these custodians of religion become furious against those who truly want to carry out their Iman in Allah, His Prophets, His Books, His *Malaaika*, and the Hereafter precisely the way the Quran tells; those who try to spread the light of Allah in the world; and those whose goal is that same Islamic system become truly get established among Muslims that the Prophet (PBUH) and his companions established fifteen hundred years ago in Hijaz; and in whose implementation the humankind's evolution and future destiny lies. These so-called custodians of religion form a united front and work day and night to foment storm of opposition against these true servants of Allah. And they pronounce fatwas against them that

> These people are unbelievers and outside the orbit of Islam. No Muslim women can be married to them. The sacred bond of marriage is null and void of a Muslim woman who is married to them. No funeral prayer will be held for them. They cannot be buried in a Muslim cemetery. [Published fatwa by one thousand "Islamic scholars" against me]

The revolutionary voice of the Quran

These high custodians of religion went so far as to pronounce fatwa that these people should be killed. What is their crime? Well, their crime is: إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (46:13) – They say Our Sustainer and Master is only Allah; وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ (2:136) – That we surrender unto His laws and orders. That we don't surrender to anyone else's laws and orders.

Just as I said a moment ago, their opposition is not to us but to the voice of the Quran that we try to advance. And the reason is obvious: the Quran does not let any human being or a group of human beings rule over or pass order to other human beings. It does not allow anyone to live a comfortable life on the backs and hard work of others. The Quran removes all intermediaries and powers – whether temporal or religious – between human being and Allah.

What is the Quran? It is a message of death for all rulers;
It is a protector of the weak and helpless and sufferers!

In other words, it is the message of death of all types of slavery. Therefore, how could proponents and forces of status quo – that control human beings' life here on Earth as well as their future life – tolerate such a revolutionary voice of the Quran that does not even recognize their existence, let alone allow them to have rampart over people? Therefore, their opposition to the voice of the Quran is quite understandable.

Under the grip of Mullah's sour face we don't look at our own mind's way;
If I am Muslim then I must face towards the Kaaba as this is the right way!

Their opposition reached such a level that if someone even subconsciously mentions that for certain matter we have to seek solution from the Quran then these custodians of religion become so infuriated that they charge him that he has become "Parwezi." And the person feels completely stunned at this because he does not know what they are talking about. He starts thinking as to what he has done wrong that these people are so angry about? That is, they cannot even tolerate to hear the name of the Quran to solve our problems. How deep a psychological condition is this that the Quran has mentioned of these people when it says: وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝ (17:41) – Just reflect in how many different ways We have explained in this Quran what is good for them. Yet their aversion to it is ever-increasing. May Allah have mercy on our condition!

Their mental level

My dear friends, among these people there is a section that knowingly opposes the teachings of the Quran because it harms their selfish interests. The other section is of those people whose mental level is such that they cannot comprehend the Quranic reality. So, to them only that Muslim is right who thinks like them; who says what they want to hear. Anyone whose mental level is higher and who independently ponders in the Quran – to them he is unbeliever. This is what they have turned the Quran into – to recite Surah Yasin so that death can be hastened! Allama Iqbal said about them in Javid Nameh:

Mullah's heart is unaware of Allah's revelation; His Book is fiction to him
He is devoid of Prophet's wisdom; His sky is totally dark without any stars
He is narrow-minded, short-sighted; licentious; only involved in vain talks
The school of Mullah and the meaning of the Book?
Totally devoid of any wisdom and light of the Book!

Touchstone for Islam according to these people

These people charge Iqbal: what did he know about Islam, he didn't have beard? I didn't say this as a joke or hearsay, my friends. This is the first

objective test of Islam to these people! I had written to Mufti Muhammad Shafi in reply to his letter:

> I just want say to that the literature on whose basis I am declared کافر (*Kafir* or unbeliever) has attracted thousands of educated youth to Islam, who otherwise, would have been overtaken by materialism of the West or gone into the lap of communism.

At this, a newspaper that is representative of his group wrote:

> Can Mr. Parwez tell who are these youth and where do they live? Can he point out even one among these thousands of youth, who was beardless and materialist before and after reading his literature became believer in God and grew a beard? [Asia, 26 March, 1962]

My dear friends, if this is the situation with these custodians of religion then how can Iqbal's saying will have any weight in their sight? Let me present couple of examples of learned scholars from among them, and you can see for yourself what they think of these people? Mufti 'Abduh was an internationally recognized Islamic scholar from Egypt. He writes about Al-Azhar, the most famous Islamic university in the Muslim world:

> Whoever spends more time in acquiring knowledge in Al-Azhar or similar universities, his ability to acquire knowledge disappears. [Tafsir Al-Manaar, Vol. 1, page 181].

His student Syed Rashid Rida writes about him:

> His view was that there is no hope of any reform for scholars and sheikhs of Al-Azhar and of similar universities.

My dear friends, if this is the state of the best Islamic university in the world then you can very well imagine the condition of our own Darul 'Uloom (دار العلوم). Maulana Abul Kalam Azad was called the Imam-al-Hind and has painted the picture of the knowledge taught by our Islamic scholars thus:

After a long time of pondering this reality opened up to me that there are only two reasons for the Ummah's wretched condition which can be termed "Greek-ism" and "Iranianism." The root of Ummah's evil started from these sources. If a wise person with deep knowledge were to analyze the material that is taught in our religious schools then he will be shocked to find how much these two sources have corrupted our Madrasah's curriculum. Even the Islamic metaphysics and the Sharia have been affected by them, what to say of history and narrations.

Moving from the past personalities, the current ones are not far behind them. Syed Abul Ala Maududi writes about our Ulema:

The schools of study and training from which these Ulema come from and the environment in which they live – there is no place in them for essential

foundation of دین (*Deen*) and reformation of the Ummah. All their interests reduce to debating trivial matters. These people never try to understand the temperament of the current generation or the demands of time. Although these Ulema show their extreme revulsion for things that are alienating the current generation from Islam, they don't do anything concrete to alleviate this situation. These people do not have any idea how to understand the complex problems of modern times, let alone solving them. Few have attempted but have failed miserably. This is because these problems cannot be solved without Ijtihad, but these Ulema have forbidden Ijtihad on themselves. And the methodology that they are adopting for teaching Islam and Islamic laws, these, instead of attracting people to the cause of Islam, create disgust among them for Islam. After reading their writings or listening to their lectures a voice tells the heart that, God forbid, what kind of impression it will leave on non-Muslims if they were to read their writing or listen to them. [*Tafhimat*, page 28].

You may probably know that the program through which these people go through to get their religious education and are awarded the degree of "Aalim" does not include the Quran in its curriculum. In the final year the tafsir of Baidawi of only Surah Baqra is taught as a grace. So, if these people oppose the Quran then it is understandable. They are helpless. They are simply incapable of understanding the Quran.

How could disillusioned comprehend what I say?
Their world is different and my world is different!

As Allama Iqbal has said:

If your mind is wretched and your hands are feeble;
Is it your fault or of palm tree that its fruits are high?

Opposition based on ignorance

Well, whatever is beyond their mental grasp these people think that it is forbidden or unbelief? And therefore they consider opposition to it as a big Jihad? If somehow their mental level could be raised so that they are able to understand the deep concepts and realities of the teachings of the Quran, then don't ask how their life will be transformed?

Who knows what he would say; what he would do; what he would see?
If God could give the "Pious one" too the same eyes as He has given me!

When one starts to *understand* the Quran then one doesn't get entangled in trivial matters or useless religious debates. His mental vision and his thoughts

become cosmic. He focuses on the principles and the foundation of دین (*Deen*) and important issues of life facing humanity. He tries to get closer to anyone who has even slightest interest in learning the دین (*Deen*). If these Ulema were fortunate to drink even a cup of knowledge from the ocean of the Quran, then their world will change and they will find themselves closer to you. Those who have their eyes on the Quran become the dearest friends and members of one family. That is why I keep saying to these Ulema:

They are separate but you will start trusting me;
If only you could, with your heart, listen to me!

But the difficulty is that the education they get in the Madrasas doesn't let them come near the Quran. And since they are told that everything that is against what they have been taught is false, these people oppose the Quran and those who present its message.

Quran's message cannot be suppressed

This is one group that opposes the Quran because of ignorance. This group is not that harmful as the one which uses this group as front for its ulterior interests. The other group is very cunning and uses deceptive means to advance its selfish interests.

But the voice of the Quran has become so common and reached so broad a spectrum of the society that this cannot be stopped anymore by any opposition.

The "Pious one" no more can stop the flow of the elixir of life;
The whole world is deeply thirsty for the Quranic elixir of life!

The voice of those who become madly in love with the Quran's life-invigorating message cannot be stopped. Their condition is such that:

The more they are opposed the more intense their passion becomes!

Every moment of their entire life is spent for the goal of spreading the voice of the Quran so that its universal values could reveal themselves before the world like shining stars; so that the divine order of universal sustenance could practically get established in the world; so that the humanity which has lost its way in the darkness of hell is able to come out of that darkness; and so that Adam who was evicted from heaven could find the shining صراط المستقیم (S*irat-ul-Mustaqeem*) highway that leads to heaven. If they are able to accomplish this goal then they are ready to face whatever punishment their opponents inflict on them:

Let the life's elixir come; let the message of the Quran come;
After that whatever happens, whatever difficulty comes, let it come;

Let the moonlight fall upon me from high heavens above;
Let messenger come carrying the light of the Quran in his hands;
Let every drop of blood in my veins light up like a lamp;
And let the Quran's beloved message come without its veil!

And the Earth will start shining with the light of its sustainer: وَاَشۡرَقَتِ الۡاَرۡضُ بِنُوۡرِ رَبِّهَا (39:69) – At that time the Earth (the human society) will glow with the effulgence of Allah's Law of Sustenance and every matter would be decided according to the Divine Code.

The world may say whatever it wants to say about/against them but their passionate wish is that when the Prophet (PBUH) complains to Allah about his people then they do not want to be included among them: وَقَالَ الرَّسُوۡلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِى اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَهۡجُوۡرًا۝ (25:30) – And the Prophet (PBUH) will say, "O my Sustainer, this is the very nation of mine which had put the Quran into the shackles of self conceived ideas, whereby it could not move even a few steps freely." Instead of being guided by the Quran, they made it subservient to their own beliefs and customs.

Touchstone must be the Quran

My dear brothers! You know that I have kept repeating that I am a student of the Quran. Whatever I understand from the Quran, I present it to others. I have never claimed that whatever I have understood from the Quran is the final word or that there is no room for improvement. My books are proof of this claim. I have always invited thinkers and scholars to look at my work with a critical eye and inform me about my mistakes for which I will be thankful to them. But the authority must be the Quran for right or wrong. Even if a common person were to point out my mistake in the light of the Quran then I am ready to submit to him. But if someone or some groups – no matter how large or how powerful – insist that what I am presenting is against the ancestors' way or against established customs and traditions, and therefore , it is against Islam and the دین (*Deen*), then I am not ready to accept this criticism. This is because the Almighty Allah to which I submit one hundred percent says that: اتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَلَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ‌ؕ (7:3) – Follow only that which has been revealed to you by your Sustainer and do not follow another ally. This is the touchstone for testing right and wrong to me. And: وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ۝ (5:44) – Those who do not decide their affairs according to what Allah has revealed – they are the ones who in fact are the *K'afireen*, i.e., they belie Allah and His Book.

***

Now my dear brothers, let us come to other side of this coin. I have said earlier

that Nature sometimes uses the force of opposition to advance its message – then it does not mean that you should slow down your efforts to propagate the voice of the Quran, and wait for Nature to do all the work? No, you should not think like that ever at all? It is alright that a barrier speeds up the flow of a river. But it does so only of that river which is able to overcome the barrier and moves forward. If it does not do so, then it becomes a static body of putrid water. Therefore, it is necessary that you must also speed up your efforts as the opposition increases its barrier.

I think it is necessary to clarify an important point in this regard. Those friends who have been with this movement for a while understand this point but it takes time for the new ones joining this movement. And it is these people that I want to address now. They join this movement with great emotion and start pointing out that we do not have any practical program. As I have mentioned many times before, our various religious and political parties have created the impression that unless there is public crowd; that unless there is clamor and commotion in any program – then that program is not practical. They think that for a "practical" program there must be public slogans, public demonstrations, public speeches, and manifestation of public power and force. Tulu-e-Islam is the first movement of its kind whose mission is to create a fundamental change in the hearts and minds of people. This is because it has understood the reality of the Quran that unless and until there is change in the internal self and psychology of individuals there cannot be positive and productive and sustainable change in the society: اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ ؕ (13:11) – It is indeed a fact that Allah does not alter the condition of a people until they bring about a change in their inner-selves.

Thus, the mission of Tulu-e-Islam is to create this internal psychological change in people. And this goal cannot be achieved by public speeches, demonstrations, and sloganeering. This can only be achieved by propagating the message of the Quran with serene thinking, silent reflection, and continued fortitude.

Spreading the message quietly

I don't know about Lahore but I used to see a special scene in Karachi. Every evening, at a corner on the busiest street in the center of Karachi, a European youth dressed in beautiful suit, used to stand quietly like a statue for several hours with a bag full of magazines. He kept a copy of the magazine in his hand and gave it to anyone who stretched his hand towards him; and pulled another copy from the bag in his hand. I saw him doing this routine for months and years. Similar youth were doing this work in different parts of the city on behalf of some Christian missionary organization. Many people used to make fun of their efforts. But when their annual report was published then it was clear that this silent propagation was having a big impact and it was an effective tool for recruiting volunteers for their missionary organization.

To be continued.....

(ب) انسانی ذات میں یہ صفات بطور ممکناتِ زندگی مضمر یا خوابیدہ شکل میں ہوتی ہیں۔ان کو مشہود یا بارآور (Actualise) کرنا ہوتا ہے۔

(ج) صفات خداوندی کے جذبات سے بلند، منزا اور مبرا ہونے کے بالمقابل، انسانی صفات میں جذبات کا دخل ہوتا ہے۔شہودِ صفات سے پہلے جذبات پر پورا پورا کنٹرول کرنا لازمی امر ہوتا ہے۔

5- انسانی زندگی کا مقصود یہی ہے کہ ان صفاتِ خداوندی کو معیار بناتے ہوئے ہر ممکن استعداد سے انہیں اپنے اندر منعکس کیا جائے۔جوں جوں انسانی ذات میں ان صفات کی نمود ہوتی جاتی ہے وہ خدا کا قرب حاصل کرتا ہوا اس کے رنگ (صبغۃ اللہ) میں رنگا جاتا ہے۔اس طرح وہ خدا کے تخلیقی پروگرام میں شریک ہوتا جاتا ہے اور خدا اور بندے کا تعلق رفاقت کا ہو جاتا ہے جس میں بہرحال خدا رفیق اعلیٰ ہوتا ہے۔

6- صفاتِ خداوندی کی انسانی ذات میں نمود سے جوں جوں اس کی نشوونما ہوتی جاتی ہے، یہ اس کے ایمان اور سیرت میں مزید پختگی کا باعث بنتی ہے۔اس طرح وہ ارتقائی مراحل سے گذرتے ہوئے حیات بعد الممات کا امیدوار بننے کے قابل ہو جاتا ہے تاکہ اس مقام کے حصول کے بعد وہ مزید ارتقائی مراحل طے کرنے کی صلاحیت حاصل کر سکے۔

7- صفاتِ خداوندی متعدد اور متنوع ہونے کے علاوہ بعض مقامات پر، باہم گر متضاد بھی ہیں۔مثلاً وہ رحیم و کریم بھی ہے اور جبار و قہار بھی۔ذات (کیریکٹر) کے معنی یہ ہیں کہ جس جگہ جس قسم کی صفت کی نمود ضروری ہو وہاں اس صفت کا ظہور ہو اور حسنیٰ کے تحت اس قدر ظہور ہو جس قدر اس موقع پر اس کی ضرورت ہو۔اگر غفور و رحیم کی صفات کے اطلاق ہونے کے مواقع پر قہاریت و جباریت کی صفات کا ظہور ہو جائے تو اس سے نظامِ عالم میں اصلاح کی بجائے فساد برپا ہو سکتا ہے۔

8- انسانی ذات میں ان صفات کی نمود ایسی شے نہیں جس کے متعلق دوسرے کو کچھ علم ہی نہ ہو سکے۔ان صفات کا اظہار، انسان کی سیرت و کردار میں ہوتا ہے، جو مرئی اور محسوس شکل میں ہر ایک کے سامنے آ جاتا ہے۔اسی کو انسان کا کیریکٹر کہتے ہیں۔

☆☆☆

(اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر انعام الحق نے تعاون کیا ہے۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

PUBLISHED SINCE 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL.NO. 28
VOL. 70
ISSUE
7

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546, 042-35753666
E-mail:idarati@gmail.com
Web:www.toluislam.com www.facebook.com/talueislam/

جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر اِن شاہیں بچوں کو بال و پَر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے

(اقبالؒ)

